اسلام ایک پُرامن دین ہے

ایک زمانہ تھا کہ اسلام کے بہ زورِ شمشیر پھیلنے کا دعویٰ کیا جا رہا تھا لیکن جب دوسری لڑائیوں کی تفصیلات دنیا کے سامنے لائی گئیں تو بہت سے لوگ غور کرنے پر مجبور ہوئے۔ الزام ختم نہیں ہوئے لیکن یہ ظاہر ہوگیا کہ جو لوگ اب بھی اسے دہرا رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، صرف ایک طرح کا تعصب اور عناد کا جذبہ دلوں میں موجزن ہے جو اسلام پر حملے کے لیے اکساتا ہے۔ اگر حقیقت سمجھنا ہو تو آج بہت سی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ میں آج سے تقریباً ۸۰ سال پہلے لکھی جانے والی سیرت کی مشہور کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کی جلد دوم کا حوالہ دینا چاہتا ہوں۔ اس میں مصنف نے علامہ عصرِ نبوت کے تمام غزوات وسرایا میں مقتولین کی تعداد لکھ کر جنگِ عظیم میں جانی نقصانات کا ذکر کیا ہے۔

(ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری)

جذبے کا خلوص

سلف کا یہ قول کتنا خوب ہے، غور کیجیے، حظ اندوز ہوتے ہوئے ربّ العزت سے اس کی توفیق مانگتے ہوئے اسے اپنانے کی ہر ممکن سعی کیجیے، قول ہے: ''ایک مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔'' اس لیے کہ نیت کے مطابق ہی عمل کا بدلہ ملتا ہے، عمل کا دارومدار ہی نیت پر ہے: ((إنما الأعمال بالنیات)) جیسی نیت کی ہوگی ویسا ہی پھل ملے گا۔ اسی پر بس نہیں ہے، شریعت کے ثابت نصوص سے معلوم ہے کہ اگر نیک کام کی کوئی سچی نیت کرے اور اسے نہ کر سکے تو محض خالص جذبے اور صدق نیت کی برکت سے اس عمل صالح کا کچھ اجر ملتا ہے۔ اور اگر بُرے کام کی نیت کی اور جب تک اسے کرے گا نہیں اس پر اللہ کے یہاں مواخذہ نہیں ہوگا۔ محض نیت کرنے سے بُرے کام پر مواخذہ نہ ہوگا۔ نیت اور صدق نیت کی اہمیت بس اتنی ہی نہیں ہے۔ نیت کے اندر عمل سے زیادہ وسعت ہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کے لیے ہمیشہ تمام طرح کے نیک اعمال کرتے رہنا از حد مشکل ہے، تاہم وہ انھیں ادا کرنے کی سچی نیت کر سکتا ہے اور اِس پر بھی اسے ثواب ملے گا۔ یہ نکتے ہمیں بتلاتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں خالص جذبہ، صدق نیت اور سچے ارادے کی کتنی قدر و منزلت ہے، یوں معلوم ہوا کہ فی الواقع نیت عمل سے بہتر ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بابت صاحب تفہیم القرآن نے خوب لکھا ہے کہ جس وقت سے حق ان پر منکشف ہوا اُس وقت سے لے کر مرتے دم تک ان کی پوری زندگی سرتاپا قربانی تھی۔ دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی خاطر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات و مصائب اور آلام و مشکلات ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے۔ ان میں سے کوئی خطرہ، مصیبت اور آزمائش ایسی نہ تھی جسے انھوں نے حق کی خاطر نہ جھیلا ہو، اللہ کی رضا اور اس کی خوش نودی کے لیے انھوں نے ہر طرح کی مصیبت، پریشانی اور مشکلات کو برداشت کیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظیم شخصیت کا یہی وہ امتیاز ہے جس کے سبب انھیں وہ ممتاز مقام ملا جن سے کم وبیش ہم سبھی واقف ہیں۔

تاہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان تمام قربانیوں میں، جن کے سبب انھیں امامت عالم سے سرفراز کیا گیا، ایک قربانی وہ خاص طور سے قابل ذکر اور سب سے ممتاز ہے جو انھوں نے اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے جذبے اور سچے عزم وارادے کا اظہار کیا تھا۔ عمر کے آخری پڑاؤ کی سب سے محبوب شے اپنے لخت جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا سخت امتحان جب اللہ نے لیا تو اللہ کا یہ بندہ اسے بھی پیش کرنے میں ذرا سا نہ ہچکا، فرزند ارجمند کو ہمراہ لے کر قربان گاہ تک پہنچ گئے۔ اسے قربان کرنے کا عزم مصمم کرلیا۔ جذبہ خالص تھا، نیت سچی تھی، بیٹے کو لٹادیا، اللہ نے ندا دی کہ تم امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر کو اللہ کے راستے میں قربان نہیں کر دیا، اس کے قربان کرنے کے خالص جذبے اور سچی نیت کا اظہار کر دیا۔ اللہ نے ان کے خالص جذبے اور سچی نیت کی وہ قدر کی کہ ان کی اس قربانی کو زندگی کی دوسری تمام قربانیوں کے مقابلے میں سب سے ممتاز مقام عطا کیا۔ اس قربانی کو رہتی دنیا تک کے لیے زندہ رکھا۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر سیکڑوں برسوں سے کی جانے والی قربانی انھی کی سنت کا احیاء ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اس کے خالص جذبے اور سچی نیت کا اتنا عظیم صلہ دیا، بایں طور معلوم ہوا کہ فی الواقع اسلامی شریعت میں خالص جذبے کی، سچی نیت کی، کسی نیک کام کرنے کے لیے بے لوث پختگی کی کتنی قدر ہے اور کیا مقام ہے۔ (مولانا عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

23 ذوالحجہ 1433ھ جمعة المبارک 09 تا 15 نومبر 2012ء

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیة

شمارہ 43 جلد 64

خط کتابت کے لیے	:	ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر	:	ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور
فون نمبر	:	042-3735 4406
فیکس نمبر	:	042-37229802
رجسٹرڈ نمبر	:	CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	-/12 روپے
سالانہ	:	-/500 روپے
بیرونی ممالک سے	:	-/200 ریال -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

ڈائریاں

ملک عصمت اللہ

گزشتہ شمارے میں ہم نے ملالہ کیس کے پس منظر، اس کے بارے میں ملکی وغیر ملکی میڈیا کے کردار اور دانش ورقسم کے صحافیوں کی ''صحافتی یلغار'' کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ آج کی محفل میں ملالہ یوسف زئی کی گل مکئی کے فرضی نام سے لکھی جانے والی ڈائریوں کے چند اقتباسات پیش کررہے ہیں تاکہ معاملے کی اصل حقیقت سامنے آسکے۔ ان ڈائریوں کا زیادہ تر مواد انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع سے لیا گیا ہے۔ اس میں افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان ڈائریوں میں موجود بہت سا قابل اعتراض مواد نیٹ سے ہٹادیا گیا ہے یا اس میں ترمیم کردی گئی ہے تاہم جو کچھ میسر آسکا ہے بمع تبصرہ پیش کیا جارہا ہے۔

یہ ڈائریاں زیادہ تر سکول اور تعلیم کے حوالے سے ہیں جن میں شکوہ کیا گیا ہے کہ طالبان نے لڑکیوں کے سکول جانے پر پابندی لگادی ہے۔

ہفتہ ۳ جنوری ۲۰۱۲ء کی ڈائری کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''کل پوری رات میں نے ایسا ڈراؤنا خواب دیکھا ہے جس میں فوجی ہیلی کاپٹر اور طالبان دکھائی دیئے۔ سوات میں فوجی آپریشن شروع ہونے کے بعد اس قسم کے خواب بار بار دیکھ رہی ہوں۔ ماں نے ناشتہ دیا اور پھر تیاری کر کے سکول روانہ ہوگئی۔ مجھے سکول جاتے ہوئے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا کیونکہ طالبان نے اعلان کیا ہے کہ لڑکیاں سکول نہ جائیں۔''

جو چیز دن کی روشنی میں کھلی آنکھوں دکھائی دے رہی ہو اسے خواب کے عنوان سے افسانوی رنگ دینے کی کیا ضرورت تھی سوائے اس کے کہ سیدھی اور صاف بات کہنے کی ہمت ہے نہ حوصلہ۔

۱۹ جنوری

''آج پھر پانچ سکولوں کو بموں سے اڑادیا گیا۔ ان میں سے ایک سکول تو میرے گھر کے قریب ہے۔ میں حیران ہوں کہ یہ سکول تو بند تھے پھر کیوں انھیں آگ لگائی گئی۔ طالبان کی ڈیڈ لائن (۱۵ جنوری) کے بعد تو کسی نے سکول میں قدم نہیں رکھا تھا۔ آخر یہ لوگ بلڈنگ کو کیوں سزادے رہے ہیں۔''

ان ڈائریوں کا زبان وبیان اور اپنے اندرونی کرب کے اظہار کا یہ انداز کھلے لفظوں چغلی کھا رہا ہے کہ یہ تحریر کسی ساتویں جماعت کی طالبہ کی نہیں بلکہ کسی منجھے ہوئے شخص کی ہے۔ یہ شخص اس کا والد ہوسکتا ہے، اس کے والد کے صحافی دوستوں میں کوئی صحافی ہوسکتا ہے یا پشاور میں بی بی سی کا ریذیڈنٹ نمائندہ ہوسکتا ہے۔ جو ان ڈائریوں کو بی بی سی (BBC) پر نشر کرانے کا اہتمام کرتا رہا ہے۔

ان ڈائریوں میں سکول اور تعلیم کا حوالہ زیادہ کیوں ہے؟ اس کا ایک پس منظر ہے۔ ملالہ یوسف زئی کا والد ضیاء الدین ایک سکول کا مالک ہے۔ سوات میں ملٹری آپریشن کے باعث اس کے اس کاروبار کو خاصا نقصان پہنچا تو اس نے اس آپریشن کے خلاف احتجاج کرنے اور اپنے جذبات کے اظہار کے لیے ان ڈائریوں کو ذریعہ بنایا۔ رہا یہ سوال کہ طالبان نے لڑکیوں کے سکول جانے پر پابندی کیوں لگائی؟ اس کا سبب بھی ڈائری نویس جانتا ہے جسے اپنی جمعرات ۲۲ جنوری کی ڈائری میں اس طرح بیان کرتا ہے:

''سکول کے بند ہونے کے بعد گھر پر بیٹھ کر بہت بور ہوگئی ہوں۔ میری بعض سہیلیاں سوات سے چلی گئی ہیں۔ سوات میں آج کل حالات پھر بہت خراب ہیں۔ ڈر کے مارے گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ رات کو بھی مولانا شاہ دوران نے ایف ایم چینل پر اپنی تقریر میں یہ دھمکی دی کہ لڑکیاں گھر سے نہ نکلیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ فوج جس سکول کو مورچے کے طور پر استعمال کرے گی وہ اسے دھماکے سے اڑادیں گے۔''

۲۴ جنوری کی ڈائری میں مسلم خاں کے بیان کا حوالہ بھی دیا ہے کہ وہ ان تعلیمی اداروں پر حملہ کریں گے جن میں فوجی ہوں گے۔

ہمارا خیال ہے کہ تعلیمی اداروں پر طالبان کے حملے کا سبب آپ جان گئے ہوں گے کہ ان تعلیمی اداروں کو فوج بہ طور پناہ گاہ اور بہ طور مورچہ استعمال کررہی

ہے۔اس لیے طالبان انھیں اڑا رہے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ تعلیم دشمن ہیں جیسا کہ باور کرایا جاتا ہے۔

ع الزام ان کو دیتے تھے، قصور اپنا نکل آیا

البتہ ایک سوال اور بھی ہے کہ پاکستانی طالبان پاکستان کی فوج سے کیوں لڑ رہے ہیں؟ یہ بھید اب طشت از بام ہو چکا ہے کہ امریکہ نے القاعدہ کے عنوان سے پورے عالم اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز کر رکھا ہے۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ پاکستان اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا صف اوّل کا اتحادی اور اس کا مہرہ بن چکا ہے۔ امریکہ القاعدہ کے پردے میں قبائلی جنگ جوؤں کو ختم کرنا چاہتا ہے ورنہ القاعدہ کا وجود پہلے تھا نہ اب کہیں ہے۔ اس لیے قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے پے در پے کر رہا ہے۔ امریکی اشاروں پر پاکستانی فوج ان جنگجوؤں سے لڑ رہی ہے۔ مشہور مقولہ آپ نے سنا ہوگا کہ دشمن کا دوست دشمن ہوا کرتا ہے۔ اس لیے وہ پاکستانی فوج کو امریکہ کا دوست ہونے کی وجہ سے اپنا دشمن تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی صورت حال جس میں پاکستان روز بہ روز اس صلیبی جنگ کی گہری دلدل میں دھنستا چلا جا رہا ہے۔ اس سے نجات کا واحد راستہ امریکی جنگ سے علیحدگی اور طالبان کے ساتھ مذاکرات ہیں اور کچھ نہیں۔ جنرل پرویز کیانی فہیم وذکی آدمی ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے پاکستان کو نجات دلانے میں کردار ادا کریں گے۔

۵ جنوری ۲۰۱۲ء کی ایک اور ڈائری ملاحظہ فرمائیں:

''میں اسکول روانہ ہونے کے لیے یونیفارم پہن رہی تھی کہ مجھے یاد آیا کہ ہمارے پرنسپل نے ہمیں یونیفارم پہننے سے منع کر دیا تھا اور کہا تھا کہ گھر کے سادہ کپڑوں میں اسکول آیا جائے اور برقعہ پہن کر۔ مجھے تو برقعہ دیکھ کر ہی پتھر کا زمانہ یاد آتا ہے اور داڑھی والے دیکھ کر فرعون کی یاد آتی ہے۔''

ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر خدا لگتی کہیے کہ یہ الفاظ کسی کم عمر اور معصوم بچی کے ہوسکتے ہیں؟ یہ الفاظ لازماً کسی ''روشن خیال'' اور ''جدت پسند'' کے ہیں جن کو بچی کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ برقعہ دیکھ کر پتھر کے زمانے کو یاد کرنے والا یقیناً پتھر کے زمانے کی مخلوق معلوم ہوتی ہے جسے اپنی جاہلیت کی ثقافت سے اس قدر پیار ہے کہ وہ اسے ترک نہیں کر پا رہا اور اسلام کی اصلاحی تہذیب کا شعار پردہ برداشت نہیں ہو رہا۔ داڑھی والے کو دیکھ کر فرعون کی یاد آنا یقیناً فرعون کی تشدد پسندی کی طرف اشارہ ہے لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ فرعون کی تشدد پسندی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین (اسلام) کے خلاف تھی۔ اور آج بھی اسلام کے خلاف تشدد پسندی کا مظاہرہ فرعون کی آل اور اس کے پیروکار ہی کر رہے ہیں۔

جمعہ ۱۳ فروری

آخر میں چند ڈائریاں اور دیکھ لیجیے: ''رات کو ایف ایم سٹیشن پر مولانا فضل اللہ نے تقریر کی اور وہ دیر تک روتے رہے۔ وہ آپریشن کے بند ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے انھوں نے لوگوں سے کہا کہ وہ ہجرت نہ کریں بلکہ اپنے گھروں میں واپس آجائیں۔''

اتوار ۱۵ فروری ۲۰۱۲ء

''آج پشاور اور گاؤں سے مہمان آئے ہوئے تھے۔ دوپہر کو جب ہم کھانا کھا رہے تھے کہ باہر بہت زیادہ فائرنگ شروع ہوئی۔ اتنی زبردست فائرنگ میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ہم سب ڈر گئے۔ سوچا شاید طالبان آگئے ہیں۔ میں بھاگ کر ابو کے پاس گئی تو انھوں نے کہا ڈرو مت بیٹی یہ امن کی فائرنگ ہے۔ ابو نے بتایا آج اخبار میں آیا ہے کہ کل حکومت اور طالبان کے درمیان سوات کے بارے میں امن معاہدہ ہو رہا ہے اس لیے لوگ خوشی سے فائرنگ کر رہے ہیں لیکن رات کو جب طالبان کے ایف ایم پر بھی امن معاہدے کا اعلان ہوا تو دوپہر سے بھی زیادہ زبردست فائرنگ ہوئی کیونکہ لوگ حکومت سے زیادہ طالبان کے اعلان پر یقین کرتے ہیں۔''

پیر ۱۶ فروری

''آج میں صبح اٹھتے ہی بہت زیادہ خوش تھی کیونکہ حکومت اور طالبان کے درمیان سوات کے بارے میں امن معاہدہ جو ہو رہا تھا۔ اس لیے لوگ خوشی سے فائرنگ کر رہے ہیں۔ آج ہیلی کاپٹر کی پرواز بھی بہت زیادہ نیچے تھی۔ میرے ایک کزن نے کہا جیسے جیسے امن آرہا ہے ویسے ویسے ہیلی کاپٹر کی پرواز بھی نیچی ہو رہی ہے۔ دوپہر کو امن معاہدے کی خبر سن کر لوگوں نے مٹھائیاں بانٹیں۔''

کہاں ہیں جمہوریت کے علم بردار اور دعوے دار؟ ان کی جمہوریت نوازی کیا ہوئی؟ اس معاہدے کا کیا ہوا؟ اسے کس کی نظر کھا گئی؟ ان سوالوں کا جواب فوج اور حکومت کے ذمے ہے۔

درس قرآن — قسط نمبر ۴۶

تفسیر سورۂ یٰسٓ

مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ

﴿هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ﴾ وہ اکیلے ہی جنت میں نہیں ہوں گے، ان کے ساتھ ان کی بیویاں بھی ہوں گی۔ اکیلے پن کی وحشت کا بھی وہاں تصور نہ ہوگا۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت میں اکیلے تھے تو اس میں انھیں اپنی تنہائی کا احساس ہوا اور وحشت کو محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حواء کو پیدا کیا۔ (البداية: ١/ ٧٤)

"أزواج" زوج کی جمع ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں ایک سے زائد بیویاں ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إن أول زمرة تدخل الجنة على صورة القمر ليلة البدر، والتي تليها على أضواء كوكب دري في السماء، لكل امرئ منهم زوجتان اثنتان يرى مخ سوقهما من وراء اللحم، وما في الجنة عزب.)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٨٣٤)

''جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ اور ان کے بعد دوسرے گروہ کے چہرے آسمان پر چمک دار ستارے کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ اور دونوں (گروہوں) میں سے ہر مرد کی دو دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اندر سے نظر آ رہا ہوگا اور جنت میں کوئی بھی بغیر شادی کے نہیں ہوگا۔''

یہی روایت ذرا تفصیل سے صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۳۲۴۵) میں بھی ہے۔ اور ترمذی میں یہی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

کسی صحیح حدیث میں دو سے زیادہ بیویوں کا ذکر نہیں، البتہ "الحور العین" کے بارے میں مختلف روایات ہیں جن میں ان کی تعداد ۷۲ سے لے کر ۵۰۰ تک مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ دو دنیا کی عورتوں میں سے ہوں گی۔ (فتح الباري: ٢/ ٣٢٥)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ بناتِ آدم میں سے تو دو بیویاں ہوں گی اور "الحور العین" جتنی اللہ چاہے گا عطا فرمائے گا۔ (النهاية: ٢/ ٣٧٩)

یہ دونوں بیویاں حوروں سے افضل ہوں گی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((لو أن امرأة من نساء أهل الجنة اطلعت إلى الأرض لأضاءت ما بينهما ولملأت ما بينهما ريحا، ولنصيفها على رأسها خير من الدنيا وما فيها.)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٥٦٨)

''اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت دنیا میں جھانک لے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہو جائے اور فضا کو خوش بُو سے معطر کر دے اور جنتی عورت کے سر کا دوپٹا دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب سے بہتر ہے۔''

بزار کی روایت میں ہے کہ اگر جنت کی خاتون زمین پر جھانک لے تو سورج اور چاند کی روشنی ختم ہو جائے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مسند احمد اور ابن حبان میں مروی ہے کہ خاتون جنت کے ایک موتی کی روشنی سے مشرق و مغرب میں جو کچھ ہے سب روشن ہو جائے۔

(فتح الباري: ١١/ ٤٤٢)

بیویوں اور حورعین سے متعلق باقی مباحث کا یہ محل نہیں۔ حوروں کے اوصاف سورۃ الرحمٰن (آیت: ٥٦-٥٩)، الصفت (آیت: ٤٨، ٤٩) اور دیگر سورتوں اور احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔ شائقین الترغیب والترهيب (٤/ ٥٣١-٥٣٧) ملاحظہ فرمائیں۔

﴿فِيْ ظِلَالٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ﴾ ''وہ اور ان کی بیویاں گھنے سایوں میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔'' ﴿ظِلَالٍ﴾ ظل کی جمع ہے جس کا معنی سایہ ہے۔ مجازاً یہ رات کی تاریکی اور باغات کے سائے پر بھی بولا جاتا ہے۔ عزت وحفاظت اور ہر قسم کی خوش حالی کو بھی ﴿ظِلَالٍ﴾ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ "وأظلني فلان" کا یہی معنی ہے کہ اس نے میری حفاظت کی، مجھے اپنے زیر سایہ عزت سے رکھا۔ بعض نے ﴿هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلَالٍ﴾ کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ وہ اور ان کی بیویاں ہر قسم کی خوش حالیوں میں ہوں گے۔ (مفردات)

بلکہ ہر ڈھانپ لینے والی چیز کو "ظل" کہا جاتا ہے۔ عموماً مفسرین نے یہاں باغاتِ جنت کے سائے مراد لیے ہیں۔ سورج کی تپش کا وہاں کوئی تصور نہیں ہوگا۔ فضا نور سے منور ہوگی اور باغاتِ جنت کا سایہ ہوگا۔

﴿اَلْاَرَآئِكِ﴾ اس کا مادہ "ارك" ہے۔ "اراك" پیلو کی لکڑی کو کہتے ہیں اسی سے "أريكة" اور جمع "أرائك" ہے جس کا معنی ہے مسہری، حجلہ جو تخت کے اوپر رکھا جاتا ہے۔ یہ عموماً پیلو کی لکڑی سے بنایا جاتا تھا، اس لیے اسے "أريكة" کہا جاتا تھا۔ (مفردات)

اس لیے ﴿اَلْاَرَآئِكِ﴾ کا معنی سجائے اور خوش نما بنائے ہوئے تخت ہیں۔ ان تختوں پر جنتی میاں بیوی تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔ یہ دراصل اشارہ ہے کہ وہ فارغ البال ہوں گے اور صحت وسلامتی سے جنت میں عیش وآرام کی زندگی گزاریں گے۔

جنت کے درختوں کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک گھوڑ سوار سو برس تک چلتا رہے (تب بھی وہ ختم نہ ہوگا) اگر سمجھنا چاہو تو قرآن کی یہ آیت پڑھ لو:

﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ [الواقعة: ٣٠]

''اور ایسے سائے میں جو خوب پھیلا ہوا ہے۔''

اور جنت میں کسی کی کمان رکھنے کے برابر جگہ (دنیا کی) ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٣٢٥٢)

جنت کے درختوں کے تنے سونے کے ہوں گے۔

(ترمذي، رقم الحديث: ٢٥٢٥)

بعض کھجوروں کا تنا سبز زمرد کا ہوگا، اس کی ٹہنی کی جڑ سرخ سونے کی ہوگی۔ کھجور کا پھل مٹکے یا ڈول کے برابر ہوگا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا اور مکھن سے زیادہ نرم ہوگا۔

(شرح السنة: ١٥/ ٢٢١، مستدرك حاكم: ٢/ ٤٧٥)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک درخت لگا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، فرمایا: ''کس کے لیے درخت لگا رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: اپنے لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تجھے اس سے بہتر درخت نہ بتاؤں!'' میں نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہو: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله والله أكبر. یہ کہنے پر ہر کلمے کے بدلے تمھارے لیے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔'' (ابن ماجہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طوبیٰ جنت کا درخت ہے جس کا سایہ سو سال کی مسافت پر ہے۔

(أحمد، الصحيحة: ١٩٥٨)

یہ اور اسی موضوع کی دیگر احادیث سے جنت کے درختوں کی بہار اور ان کے سایوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ انھی سایوں میں سجے ہوئے خوش نما تختوں پر اہل جنت تکیہ لگائے ہوئے آرام کریں گے۔

﴿لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ﴾ ''ان کے لیے اس میں بہت پھل ہے۔'' امام رازی رحمہ اللہ نے عجیب بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ انھیں وہاں بھوک نہیں ستائے گی۔ بھوک کا جنت میں

ستانے کا کوئی تصور نہیں بلکہ یہ پھل لذت اور لطف اندوز ہونے کے لیے کھائے جائیں گے۔ گویا پھل بھوک کی بنا پر نہیں بلکہ لطف اندوز ہونے کے لیے کھائے جائیں گے۔ دنیا میں پھل ضرورت کے لیے یا بس پھل کے طور پر کھاتے ہیں مگر جنت میں لطف ولذت کے لیے کھائے جائیں گے۔ اور یہ بھی نہیں فرمایا ''یأکلون فیھا فاکھة'' یعنی وہ وہاں پھل کھائیں گے بلکہ فرمایا: ﴿لَهُمْ﴾ ان کے لیے پھل ہوں گے، یعنی ان پھلوں کے وہ مالک بنا دیے جائیں گے اور زمامِ اختیار اب ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ انھیں اس بارے کسی اور سے سوال کی حاجت نہیں ہوگی، جب جو چاہیں گے کھائیں گے، جیسے فرمایا:

﴿وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ۝﴾

[الطور: ٢٢]

''اور ہم انھیں پھل اور گوشت زیادہ دیں گے اس میں سے جو وہ چاہیں گے۔''

اسی طرح فرمایا:

﴿وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ۝﴾

[الواقعة: ٢٠، ٢١]

''اور ایسے پھل لے کر جنھیں وہ پسند کرتے ہیں۔ اور پرندوں کا گوشت لے کر جس کی وہ خواہش رکھتے ہیں۔''

یہ خواہش بھوک دور کرنے کے لیے نہیں کیونکہ بھوک کی تکلیف کا تو وہاں کوئی تصور نہیں ہی نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے کہا گیا تھا:

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى۝﴾ [طٰهٰ: ١١٨، ١١٩]

''بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ تُو اس میں نہ بھوکا ہوگا اور نہ ننگا ہوگا۔ اور یہ کہ بے شک تُو اس میں نہ پیاسا ہوگا اور نہ دھوپ کھائے گا۔''

اس لیے جنت محلِ تنعّم ہے، محلِ احتیاج اور محلِ اَلم نہیں ہے۔ یہ ان کے پسند کی بات ہوگی کہ جو چاہیں گے کھائیں پئیں گے اور غلمان سے منگوا لیں گے:

﴿يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ۝﴾ [الدخان: ٥٥]

''وہ اس میں ہر پھل بے خوف ہو کر منگوا رہے ہوں گے۔''

نہ انھیں ان کے ختم ہونے کا خوف ہوگا اور نہ ہی یہ کہ وہ لا کر نہیں دیں گے یا تغافل برتیں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ بلاخوف جو چاہیں گے اور جب چاہیں گے منگوا لیں گے اور نوش جاں فرمائیں گے۔ دنیا کے پھلوں کی طرح صرف موسمی پھل نہیں بلکہ ہر پھل ہر وقت ملے گا۔ پھل اگر درخت کی بلندی پر ہوگا تو یوں نہیں کہ ہاتھ نہ پہنچے تو انگور کھٹے ہیں کہہ کر تسلی دے لی جائے بلکہ پھل خود قریب کر دیے جائیں گے، چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا۝﴾ [الدھر: ١٤]

''اور اس کے خوشے تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا۔''

تاکہ جب چاہیں خود بھی انھیں توڑنے میں ذرا بھی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

دنیا میں تو بس نام ہیں: انگور، انار، کھجور، آم وغیرہ۔ اصل پھل تو اس جنت کے ہیں جس کی مٹی کستوری اور زعفران کی ہوگی، درخت کے تنے سونے کے ہوں گے۔ اب اس سے جو پھل لگیں گے ان کے حجم اور ذائقے کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے! حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صلاۃ کسوف (سورج اور چاند گرہن کی نماز) کی حدیث میں ہے کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز پکڑ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جنت کو دیکھا، میں نے انگور کا خوشہ توڑنا چاہا، اگر میں اسے پکڑ لیتا تو تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔''

(صحیح بخاري، رقم الحدیث: ١٠٥٢ وغیرہ)

حضرت عقبہ بن عبد السلمی سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے پوچھا: کیا جنت میں انگور رہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: خوشۂ انگور کیسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوّے کی مسلسل ایک ماہ پرواز کی مسافت برابر۔'' (مسند احمد: ۱۸۴/۴)

(باقی صفحہ نمبر ۱۰ پر)

درسِ حدیث

تميمة الصبي في ترجمة الأربعين من أحاديث النبي

بچوں کے لیے چالیس جامع احادیث مبارکہ

مؤلف: نواب سیّد محمد صدیق حسن خان رحمہ اللہ
تنقیح وتسہیل: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

۲۷۔ شہید جنت میں ہے:

((الشهيد في الجنة .)) (رواه أبوداود)

''شہید بہشت میں ہے۔''

فائدہ: نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی اسلم (حسناء بنت معاویہ کے چچا اسلم بن سلیم) کے جواب میں ہے۔ اور شہید اس کو کہتے ہیں کہ جو مسلمان عاقل بالغ ہو اور اس کو ظلماً کسی تیز چیز سے مار ڈالا جائے اور اس کے قتل سے مال واجب نہ ہو۔ یا وہ زخمی شخص جو میدانِ جنگ میں مردہ پایا گیا ہو۔ یا مشرکوں، ٹھگوں اور قزاقوں نے اس کو مار ڈالا ہو اگر چہ زخمی نہ ہو۔ پس کافر، جنبی اور حیض ونفاس والی عورت اور لڑکا شہید نہیں۔ اور جس کو کسی بھاری چیز سے مارا گیا ہو وہ بھی شہید نہیں، البتہ مشرکوں اور باغیوں اور رہزنوں کا مقتول شہید ہے۔ چاہے جس طریق سے بھی مارا گیا ہو۔ اور جو حد وقصاص میں مارا جائے وہ بھی شہید نہیں۔ اور جس کے قتل سے قاتل پر مال واجب ہو وہ بھی شہید نہیں۔ اگر باپ بیٹے کو ظلماً کسی تیز چیز سے مار ڈالے تو باپ پر مال واجب ہے اور بیٹا شہید ہے۔ اِس لیے کہ یہ مال زجر (ڈانٹ) اور عبرت کے لیے واجب ہے، نہ کہ بیٹے کو قتل کرنے کی وجہ سے۔ اور صاحبین کے نزدیک بھاری چیز سے قتل کرنے میں قصاص واجب ہے اور مقتول شہید ہے۔

مذکورہ اقسام کے علاوہ اور بھی شہید ہیں جنھیں شہادت کا درجہ ملتا ہے اور اَجر اور دخولِ بہشت میں وہ اُس شہید کے ساتھ شریک ہیں جو فی سبیل اللہ مارا گیا ہو۔ موطأ امام مالک، سنن ابوداود اور سنن نسائی کی حدیث ہے کہ شہدِ فی سبیل اللہ کے علاوہ شہادت کی سات اور قسمیں ہیں: وبا سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، جھلس کر مرنے والا، ذات الجنب والا (یعنی پسلی کے درد والا اور نمونیے والا)، دستوں (مروڑ، پیچش) کی وجہ سے مرنے والا، دب کر مرنے والا اور وہ عورت جو زچگی کی حالت میں (بچہ جننے کے وقت یا جننے کے فوراً بعد) مرجائے، یہ سب شہید ہیں۔

۲۸۔ بچہ بہشت میں ہے:

((المولود في الجنة .)) (رواه أبوداود)

''بچہ بہشت میں ہے۔''

فائدہ: جو چھوٹا بچہ مرجائے، خواہ مومن کا ہو یا کافر کا، وہ بہشت میں ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مشرکین کے بچوں کے حق میں بہ سبب اختلافِ روایات توقف کے قائل ہیں اور اس کے ثواب وعقاب میں بھی متوقف ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''توشيح على الجامع الصحيح'' میں لکھا ہے کہ اولادِ مشرکین کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، مثلاً:

۱: اللہ تعالیٰ کے ارادے میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔)
۲: اپنے ماں باپ کے تابع دوزخ میں ہیں۔
۳: برزخ (دوزخ اور جنت کے درمیان) میں ہیں۔
۴: اہلِ جنت کے خُدام ہیں۔
۵: آخرت میں ان کا امتحان لیا جائے گا۔
۷: بہشت میں ہوں گے۔ ۸: کئی علماء توقف کے قائل ہیں۔

اور توقف کا مذہب ہی قوی ہے، اس لیے کہ دوسری روایت میں آیا ہے: ((الله أعلم بما كانوا يعملون .))

۲۹۔ بہترین رفیق سفر میں چار ہیں:

((خير الصحابة أربعة .)) (رواه الترمذي وأبوداود، وقال الترمذي: هذا حديث غريب)

''بہترین ساتھی (رفیق) سفر میں چار ہیں۔''

فائدہ: اس لیے کہ اگر ایک بیمار اور دوسرے کو وصیت کرے تو دو باقی اس کے گواہ ہو جائیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ بہتر ہیں اور جتنے زیادہ ہوں اُتنے بہتر ہیں۔ اس حدیث میں اقل اعداد (کم سے کم عدد) کو اختیار کیا گیا ہے کہ اس سے کم نہ ہوں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو ''غریب'' کہا ہے اور اصطلاحِ محدثین میں وہ صحیح حدیث غریب ہوتی ہے جس کا راوی ایک ہو۔ سچ ہے اکیلا غریب ہوتا ہے۔

۳۰۔ جنگ چال بازی ہے:

((الحرب خدعة .)) (متفق عليه)

''لڑائی دھوکا اور چال بازی ہے۔''

فائدہ: یعنی جنگ میں مکر و فریب کرنا منع نہیں ہے، مثلاً] کوئی مجاہد میدانِ جنگ سے واپسی اختیار کرے اور دشمن یہ سمجھے کہ لڑائی سے بھاگ گیا ہے مگر اس کا مقصد اس پلٹنے سے دشمن کو دھوکا (جھانسا) دے کر یکا یک اس پر حملہ کرنا ہو اور وہ اچانک اس طرح دشمن پر غفلت میں حملہ کر کے اس کو آ گرائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ دھوکا نہیں سمجھا جائے گا، یہ گویا ایک جنگی چال ہے جس کا اختیار کرنا جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بعض دفعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور کوئی چال چلی جائے کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اور تعریض سے کام لے تو یہ بہتر ہے اور تعریض اُس جھوٹ کو کہتے ہیں جو ظاہر میں سچ کی صورت ہو، جیسے ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ راستے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی ادھر سے گزرا۔ وہ کسی کا مجرم تھا۔ لوگ اس کی تلاش میں پھرتے تھے۔ اس نے جو امام صاحب کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ نہ بتلانا کہ فلاں آدمی ادھر سے گیا ہے۔ وہ تو یہ کہہ کر بھاگتا ہوا چلا گیا۔ امام صاحب اُس جگہ سے اٹھ کر ذرا فاصلے سے دوسری جگہ پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً اس کی تلاش میں سرگرداں کھوجی اُدھر آ نکلے۔ امام صاحب سے پوچھا کہ فلاں شخص ادھر سے گیا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: جب سے میں بیٹھا ہوں اس وقت سے تو نہیں گیا۔ تلاش کرنے والے لوگ یہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو گئے۔

افتاء

☆ غیر مسلم سے اسلامی علوم وفنون سیکھنا؟ ☆ کافروں کی اسلامی موضوعات پر لکھی ہوئی کتب سے استفادے کا حکم

☆ کافر کا مال اشاعت اسلام پر صرف کرنا؟ ☆ اسلامی علوم پر کیے ہوئے غیر مسلم کے کام کی شرعی حیثیت؟

سائلہ: ام عبد منیب، لاہور ...... مجیب: مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

سوال: (۱)...... کیا مسلمان کے لیے کافر سے اسلامی علوم: حدیث، فقہ اور تفسیر وغیرہ پڑھنا جائز ہے؟

جواب: سنجیدہ فکر، عاقل، بالغ، ضروریاتِ دین جاننے والا اور اسلام اور کفر کے مابین فرق سمجھنے والا کافر استاد سے دینی علوم: فقہ، حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کرسکتا ہے بہ شرط کہ استاد دیانت دار اور غیر جانب دار ہو، یعنی اپنے مذہبِ کفر کی نام نہاد خوبیاں اور دینی علوم میں کیڑے نکالنے سے گریزاں رہے۔ ورنہ اسلامی عقائد میں غیر راسخ بچے یا ضروریات دین سے بے بہرہ مسلمان کے بہک جانے کا خطرہ خارج از امکان نہیں۔

سوال: (۲)...... کیا مسلمان کافر کی اسلامی موضوعات پر لکھی ہوئی کتب کو اسلامی کتب سمجھ کر ان سے استفادہ کرسکتا ہے؟

جواب: راسخ العقیدہ اور اسلام کے خصوصی مزاج کو سمجھنے والا غیر مسلم کی لکھی ہوئی کتابوں سے استفادہ کرسکتا ہے، عام آدمی کے لیے جائز نہیں ہے۔ مناظرینِ اسلام کے لیے غیر مسلموں کی تصنیفات اور تالیفات کا مطالعہ نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اسلام کی وکالت کا حق ادا کرسکیں۔

سوال: (۳)...... کیا کافر کا مال اشاعتِ اِسلام پر صرف کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اگر وہ قرآنِ مجید، حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی کتب کی نشر و اشاعت کا اسلامی اصولوں کے مطابق انتظام کرے تو بلاشبہ جائز ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے ہندو اور سکھ پبلشرز قرآنِ مجید اور حدیث وفقہ کی کتابیں شائع کرتے رہے ہیں جیسا کہ لکھنو کا مطبع نول کشور اور لاہور کا گلاب سنگھ کافر قرآن شائع کرتا رہا ہے اور اس کا طبع شدہ قرآن میرے مطالعہ میں رہا ہے۔ اس میں طباعت کی غلطی نہیں ملی۔ یہ نسخہ شاید اب بھی میری لائبریری میں موجود ہو۔

سوال: (۴)...... کافر شخص کا قرآنِ حکیم، احادیث اور اسلامی کتب کی اشاعت اور فروخت کرنا کیسا ہے؟

جواب: کافر کا مال اگر جائز طریقہ سے کمایا گیا ہو تو اسلام کی اشاعت پر لگانے میں قطعاً کوئی قباحت نہیں، بالخصوص جب حاکم وقت کافر ہو اور وہ اپنی مسلم رعیت کے لیے مساجد تعمیر کردے یا قرآن وحدیث اور اسلامی کتابوں کی اشاعت میں تعاون کرے تو یہ بلاشبہ جائز ہوگا اور اب بھی ایسا ممکن ہے۔

سوال: (۵)...... کیا شرعاً کافروں کے اسلامی علوم پر کیے ہوئے کام کی کوئی حیثیت ہے؟

جواب: شرعاً ان کی کوئی حیثیت نہیں، یعنی آخرت میں اسلامی علوم پر کیے ہوئے کام پر ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اجر وثواب کے لیے ایمان لانا ضروری ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۝﴾ [الأنبياء: ٩٤]

''جو شخص ایمان کی حالت میں نیک عمل کرے گا تو اس کی کوشش کی ناشکری نہیں ہوگی، ہم اس کے لیے (اس کے اس عمل کو) لکھنے والے ہیں۔''

سوال: (۶)...... دورِ حاضر میں جدید علوم سے متاثر لوگ کافروں کی اسلام اور سیرت پر لکھی ہوئی کتب پڑھ کر دین سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا یہ دعویٰ کیسا ہے؟

جواب: اگر مغرب کے ان متوالوں اور مغربی مؤلفین کے شیدائیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی علوم پر کافروں کی لکھی ہوئی کتابیں سلف کی

کتابوں سے بہتر ہیں تو ان کا یہ دعویٰ ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ ان کتب کے مطالعے اور موازنے سے بات واضح ہوجاتی ہے۔ ایسا سمجھنا سلف کے کام کی ناشکری ہے۔

سوال: (۷)...... کافروں کی سیرت یا کسی اسلامی موضوع پر لکھی ہوئی کتابوں کی مسلمان ائمہ اور سلف صالحین کے کیے ہوئے کام کے مقابلے میں تعریف وتشہیر کرنا یا ان کو اہمیت دینا کیسا ہے؟

جواب: سلف صالحین کی تصنیفات اور تالیفات پر کافروں کی لکھی گئی کتابوں کو ترجیح دینا سراسر ناانصافی اور ائمہ سلف کی محنتوں اور سیرت پر لکھی گئی کتب کو غلط قرار دینے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ اس طرح کے باطل افکار سے محفوظ فرمائے، آمین۔

بقیہ: تفسیر سورۂ یٰس

اور ایک انگور بڑی فربہ بھیڑ کے چمڑے سے بنائے گئے ڈول کے برابر۔ (مسند احمد: ۴/۱۸۴ وغیرہ)

اور یوں بھی نہیں کہ پھل توڑنے پر وہ جگہ خالی ہوجائے گی بلکہ اس جگہ پھل لگ جائے گا۔ (بزار وغیرہ) سبحان اللہ

﴿وَلَهُمْ مَّا يَدَّعُونَ﴾ ''اور ان کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو وہ طلب کریں گے۔'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا مالک ومختار بنا دیے جانے کے علاوہ وہ جو بھی طلب کریں گے اللہ تعالیٰ انھیں عطا فرمائے گا۔ اس میں دو باتیں بڑی توجہ طلب ہیں:

۱: دنیا میں ان کی تمام مطلوبات ان کے تمام تر قرب کے باوجود اللہ کی مشیت پر موقوف تھیں مگر یہاں ان کی تمام مطلوبات بلا توقف انھیں ملیں گی۔ دنیا میں اصول یہ تھا:

﴿وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ﴾ [التکویر: ۲۹]

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔''

وہ جسے چاہتا تھا عطا کرتا، جسے چاہتا تھا بیٹے یا بیٹیاں عطا کرتا اور جسے چاہتا بانجھ کر دیتا۔ مگر جنت میں جنتی جو طلب کرے گا وہ اسے ملے گا، اللہ کی مشیت وہاں حائل نہیں ہوگی:

﴿لَهُم مَّا يَشَآءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ [ق: ۳۵]

''ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔''

اُن کی مشیت تو بہرحال محدود ہے، انھیں تو وہ بھی ملے گا جس کا انھیں تصور بھی نہیں ہوگا کیونکہ انھیں معلوم ہی نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے:

﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِىَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ [السجدۃ: ۱۷]

''پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا کچھ چھپا کر رکھا گیا ہے۔''

مزید تفصیل کے لیے اس پر بھی نظر ڈال لیجیے جو ہم سورۂ ق کی تفسیر (آیت: ۳۵) میں ذکر کر چکے ہیں۔

۲: گو وہ جنت کے مالک بنا دیے جائیں گے مگر اس کے باوجود وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مزید عنایتوں کے طلب گار رہیں گے تاکہ آقا وغلام کا باہمی تعلق قائم رہے اور مالک سے طلب کی جو لذت دنیا میں پاتے تھے وہ اب بھی برقرار رہے۔

تحقیق وتنقید

قسط نمبر ۲ آخری

شیخ محمد بن عبدالوہاب اور اکابر علمائے دیوبند

ابوعبداللہ طارق، جامعہ رحمانیہ، لاہور

ج: رہے مولانا سہارنپوری کے رجوع کے لیے ''اکابر کے خطوط'' (۱۱،۱۲) کے حوالے سے پیش کیے جانے والے دو خط تو پہلا خط جو روزنامہ ''زمیندار'' کے ایڈیٹر مولانا ظفرعلی خان کی طرف ہے، اس میں شیخ عبداللہ بن بلیہد کی تعریف اور مولانا سہارنپوری کی اس کے ساتھ ملاقاتوں کا تذکرہ ہے اور یہ کہ وہ بدعات کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اس نے عقیدہ توحید وسنت کو اپنے ایمان کی اساس اور عقیدے کی بنیاد بنا رکھا ہے۔ الغرض، اہل سنت کے عقائد سے انحراف نہیں ہے اور پھر وہاں موجود اہل نجد اور ان کے تلاوت وحفظ قرآن اور سردی کے باوجود نماز باجماعت کا تذکرہ ہے۔

اور دوسرا خط جو حافظ محمد یعقوب گنگوہی کی طرف ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کا ہے تو اس میں بھی سلطان عبدالعزیز اور اس زمانے میں اس کی حکومت اور نظم ونسق کا تذکرہ ہے کہ وہ بہ ذاتِ خود دین دار اور صاحبِ حلم آدمی ہے۔ ملک میں امن وامان قائم کر رکھا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر مولانا اس حکومت کے رنگ ڈھنگ کو اچھی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ سلطان نے علمائے مدینہ سے فتویٰ لینے کے بعد قبروں پر سے جاہلوں اور رافضیوں کے بنائے ہوئے قبے گرا دیے ہیں۔ ظاہر ہے ان امور کو جو بھی دیکھے گا وہ ان کی تعریف کرے گا۔ لیکن ان دونوں خطوط میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ''المھند'' میں لکھے ہوئے اپنے بزرگوں کے اجماعی عقائد ومسلک سے رجوع کا تذکرہ تک نہیں ہے اور ہو بھی کیونکر، مولانا خلیل احمد سہارنپوری تو احمد رضا خان بریلوی اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو ایک ہی صف میں کھڑے کیے ہوئے ہیں، مولانا فرماتے ہیں:

''یکفر علماء الأمة کما کفر الوھابیة أتباع محمد بن عبد الوھاب الأمة، خذله الله تعالی کما خذلھم.''

(المھند، ص: ۷۵ مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور)

''وہ (احمد رضا خان بریلوی) علمائے امت کو کافر کہتا ہے جس طرح محمد بن عبدالوہاب کے وہابی چیلے امت کی تکفیر کیا کرتے تھے۔ اللہ اس کو بھی ان کی طرح رسوا کرے۔''

اور مولانا حسین احمد مدنی بھی اپنے شیخ مولانا سہارنپوری کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرماتے تھے:

''یہ مردود (یعنی احمد رضا بریلوی) بھی مثل اپنے شیخ نجدی کے۔'' (الشہاب الثاقب، ص:۱۸۶)

اور ایک جگہ راقم ہیں:

''البتہ مجدد الرجالین اور ان کے اتباع بے شک وہابیہ کے قدم بہ قدم ہیں۔'' (الشہاب الثاقب، ص:۱۸۷)

قارئین کرام! ان تمام عبارات کو بہ غور پڑھنے سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

۱: بزرگانِ دیوبند کے ''المھند'' میں موجود ان بلاشک وشبہ ہر باب میں صواب، حق صریح، قولِ فیصل، واقع کے مطابق قول حق جن کے بعد تو صرف گمراہی ہی ہے جیسے اجماعی عقائد اور تحقیقی وجماعتی مسلک دیوبند سے رجوع کر لینا مولانا سہارنپوری کے لیے ممکن تھا؟

۲: اگر بالفرض مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ان سب عقائد میں رائے تبدیل ہوگئی تھی تو کیا اس سے جمیع اکابر بزرگانِ دیوبند واسلاف کرام کا بھی تمام عقائد سے رجوع کر لینا ثابت ہوجاتا ہے؟

۳: "الشہاب الثاقب" اور "المہند" میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی طرف نسبت کردہ وہ تمام اختلافی عقائد ونظریات جن کا علمائے دیوبند نے ردّ کیا ہے اور اس وجہ سے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ پر طعن وتشنیع کی ہے، کیا ان علمائے دیوبند اور ان کے مشائخ واکابر نے ان سے بھی رجوع کرلیا ہے؟ دعاؤں میں فوت شدگان کا وسیلہ ڈالنا اور بہ حق وسیلہ فلاں بزرگ کہنا اور بہ حرمت فلاں وغیرہ الفاظ کہنا جو اکابر علمائے دیوبند کے عقائد ہیں۔ اور زیادہ اجرو ثواب کی نیت سے صرف قبروں کی زیارت کے لیے اہتمامِ سفر کرکے جانا، شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اس کے بھی قائل نہیں تھے جب کہ مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:

''صاحبو! ہمارے اکابر اس مسئلے میں بھی ہر طرح سے مخالف اس طائفہ غیّہ کے ہیں۔'' (الشہاب الثاقب، ص:۱۸۸)

اور قبروں اور بزرگوں کے سینوں سے باطنی فیض پہنچنا۔ (المہند، ص:۴۵) شیخ محمد بن عبدالوہاب اس کے قطعاً قائل نہیں تھے۔ اور یہ کہ قبروں میں نبیوں اور شہیدوں کی زندگی دنیا کی زندگی ہے، نہ کہ برزخی۔ (المہند علی المفند، ص: ۳۸ ادارہ اسلامیات، لاہور)

مولانا قاسم نانوتوی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ دنیوی علی الاتصال اب تک برابر مستمر ہے۔ اس میں انقطاع یا تبدل وتغیر جیسے حیاتِ دنیوی کا حیات برزخی ہوجانا، واقع نہیں ہوا۔'' (آبِ حیات، ص:۳۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان)

اور مولانا سرفراز صفدر فاضل دارالعلوم دیوبند (انڈیا) وسابق شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم (گوجرانوالہ) راقم ہیں:

''بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی فرماتے ہیں: حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت ہے اور اوروں کی عارضی، اس لیے پیغمبروں سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا اور نہ روح نکلتی ہے بلکہ جسم سے سمٹ کر دل میں مرکوز ہوجاتی ہے۔''

(تسکین الصدور، ص:۲۱۲، ۲۱۳ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ)

اور اللہ تعالیٰ کا اپنے عرش پر مستوی ہونا اور دیگر صفات وعقائد جن میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ سلفی المذہب تھے اور اکابر دیوبند ان صفات وعقائد میں اشعری اور ماتریدی مذہب پر ہیں تو کیا مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا حسین احمد دیوبندی اور ان کے مشائخ اکابر نے اس سے بھی رجوع کرلیا تھا؟ اور اشعریت اور ماتریدیت سے بھی رجوع کرلیا ہے؟ کیونکہ صفات میں اختلاف کا باعث تو یہی ہے کہ شیخ صاحب سلفی ہیں اور اسی بنا پر ان کا ردّ کیا گیا۔

مولانا حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

''شانِ نبوت ورسالت علی صاحبہا الصلاۃ والسلام میں وہابیہ نہایت گستاخی کے کلمات استعمال کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مماثل ذات سرورِ کائنات خیال کرتے ہیں اور اپنی شقاوت قلبی وضعف اعتقادی کی وجہ سے جانتے ہیں کہ ہم عالم کو ہدایت کرکے راہ پر لا رہے ہیں۔''

(الشہاب الثاقب، ص:۱۸۹)

اور پھر آگے جا کر مولانا قاسم نانوتوی کے کچھ اشعار ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''کیا یہی حالت وہابیہ کی ہے؟ کیا یہی کلمات ان کی زبانوں سے نکلتے ہیں؟ کیا اسی قسم کی لطیف اور دل آویز تحریرات ان کے ناپاک قلموں سے شائع ہوتی ہیں؟ ہرگز نہیں، وہ اس قسم کی گفتگو کو معاذ اللہ بد دینی وشرک خیال کرتے ہیں۔ ان مضامین کو واہیات وخرافات میں مندرج کرتے ہیں۔''

(الشہاب الثاقب، ص:۱۹۴)

اور مولانا حسین احمد مدنی ایک جگہ فرماتے ہیں:

''وہابیہ اشغال باطنیہ واعمال صوفیہ: مراقبہ، ذکر وفکر وارادت ومشیخت وربط القلب بالشیخ وفنا وبقا وخلوت وغیرہ اعمال کو فضول ولغو، بدعت وضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال وافعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ، مستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے

ہیں۔'' (الشہاب الثاقب،ص:۲۰۶)

اور پھر''امدادالسلوک'' سے کچھ عبارتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اب ناظرین بہ انصاف ذرا غور فرمائیں کہ جو جو احوال واقوال مولانا کے نقل کیے گئے ہیں، کیا یہ وہابیہ کے مذاق کے موافق ہیں؟ کیا یہ طائفہ اس قسم کے الفاظ کے قائل کو متبع سنت خیال کرتے ہیں؟ آیا ان سب باتوں کو حدودِ معصیت سے نکال کر اپنی تقشّف وشدتِ بغاوت کے سبب درجاتِ شرک تک نہیں پہنچاتا؟ کیا وہ ان سب خیالات کو پیر پرستی وغیرہ نہیں کہتے؟ کیا وہ فنا وبقا، فناء الفناء وبقاء البقاء وحیلہ کشی ومراقبات واذکار اور اشغال وغیرہ وغیرہ کو بدعت سیئہ وضلالت خیال نہیں کرتے ہیں۔'' (الشہاب الثاقب،ص:۲۰۵)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

''قراءت دلائل الخیرات وقصیدہ بردہ وقصیدہ ہمزیہ وغیرہ اور اس کے پڑھنے اور اس کے استعمال کرنے وورد بنانے کو سخت قبیح ومکروہ جانتے ہیں اور بعض اشعار کو قصیدہ بردہ میں شرک وغیرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً:

يـا أشـرف الـخلق ما لي من الوذبة
سـواك عـنـد حلول الحادث العمم

''اے افضل مخلوقات! میرا کوئی نہیں جس کی پناہ پکڑوں۔ بجز تیرے بروقتِ نزولِ حوادث۔''

حالانکہ ہمارے مقدس بزرگانِ دین اپنے متعلقین کو''دلائل الخیرات'' کی سند دیتے رہے ہیں اور ان کو کثرت درود وسلام وقراءت دلائل وغیرہ کا امر فرماتے رہے ہیں۔ ہزاروں کو مولانا گنگوہی ومولانا نانوتوی رحمہما اللہ نے اجازت عطا فرمائی اور مدتوں خود بھی پڑھتے رہے ہیں اور مولانا نانوتوی رحمہ اللہ مثل شعر بردہ فرماتے ہیں:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
جو تُو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار''

(الشہاب الثاقب،ص:۲۰۹)

اور پھر ان اختلافات وردود کے آخر میں مزید لکھتے ہیں:

''صاحبان! آپ حضرات کے ملاحظہ کے واسطے یہ چند امور ذکر کردیے گئے ہیں جن میں وہابیہ نے علمائے حرمین شریفین کے خلاف کیا تھا اور کرتے رہے ہیں اور اسی وجہ سے جب کہ انھوں نے غلبہ کرکے حرمین شریفین پر حاکم ہوگئے تھے، ہزاروں کو تہ تیغ کرکے شہید کیا اور ہزاروں کو سخت ایذائیں پہنچائیں، بارہا اُن سے مباحثے۔ ان سب امور میں ہمارے اکابر ان کے سخت مخالف ہیں۔'' (الشہاب الثاقب،ص:۲۱۱ مطبوعہ ادارہ تحقیقات اہل سنت، بیگم پورہ، لاہور)

کیا مولانا حسین احمد مدنی نے اور ان کے استاد محترم مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور اکابر مشائخ وبزرگانِ دیوبند نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے عقائد ونظریات سے متعلق ان مذکورہ بالا اپنے عقائد ومسلک اور اختلافات سے بھی رجوع فرمالیا تھا؟

❀......مولانا انور شاہ کاشمیری شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے فرماتے ہیں:

"أمـا محمد بن عبد الوهاب النجدي فإنه كان رجـلا بـليـدا قـليـل الـعلم فكان يتسارع إلى الحكم بالكفر." (فيض الباري: ۱/ ۱۷۱)

''محمد بن عبدالوہاب کند ذہن اور کم علم تھا اور دوسروں پر کفر کا حکم لگانے میں عجلت کا مظاہرہ کرتا تھا۔''

مولانا انور شاہ کشمیری کے اس فرمان کی تاویل مولانا منظور نعمانی یوں فرماتے ہیں کہ فیض الباری چونکہ شاہ صاحب کی درسی تقاریر کا مجموعہ ہے، اس لیے قوی امکان ہے کہ یہ جرح مولانا کاشمیری کی بجائے مرتب کتاب مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ کی ہو یا پھر ان سے ترجمانی میں تسامح ہوا ہو۔ (الاحیاء،ص:۹۶، فروری:۲۰۱۲ء)

الف: عرض یہ ہے کہ شاہ صاحب کے اس مذکورہ بالا مسلک کو اس تاویل نا مراد کے ذریعے مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب کے ذمے لگا کر شاہ صاحب کو اس سے بری الذمہ قرار دینے سے پہلے مولانا منظور نعمانی کو چاہیے تھا کہ فیض الباری کا مقدمہ ملاحظہ فرما لیتے۔ مولانا میرٹھی کے کام کا منہج تو جان لیتے کیونکہ مولانا میرٹھی نے فیض الباری میں اپنے کلام کو شاہ صاحب کے کلام سے جدا کرنے کے لیے اپنے منہج کو مقدمے میں واضح بیان فرما دیا ہے، لکھتے ہیں:

"فمتى وجدت فيه بين القوسين (قلت) أو (يقول العبد الضعيف) فهو من الحقير."

(مقدمة فيض الباري، ص: ۷۲)

''جب آپ قوسین کے درمیان (قلت) یا (یقول العبد الضعیف) کے الفاظ پائیں تو وہ (عبارت) اس حقیر (مرتب) کی ہوگی۔''

اسی طرح شاہ صاحب کے کلام میں غور وفکر سے حاصل ہونے والے اپنے فہم کو شاہ صاحب کے کلام سے جدا رکھنے کے لیے مولانا میرٹھی نے "البدر الساري" نامی تعلیق لکھی جو فیض الباری کے ساتھ ہی حاشیے میں مطبوع ہے تاکہ اپنے اس فہم کو اس تعلیق میں لکھیں اور کہیں اس کی نسبت شاہ صاحب کی طرف نہ ہو جائے، فرماتے ہیں:

"ذكرته في التعليق خشية أن لا يكون مراده وأكون أنا ممن عزاه إليه."

(مقدمة فيض الباري، ص: ۷۳)

''میں نے اپنے اس فہم کو (اس) تعلیق میں ذکر کیا ہے اس خوف سے کہ (کہیں) شاہ صاحب کی یہ مراد ہی نہ ہو اور میں اسے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دوں۔''

تو گزارش ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں مولانا انور شاہ کاشمیری کا مذکورہ بالا مسلک "البدر الساري" نامی تعلیق میں نہیں بلکہ فیض الباری میں ہے اور وہ بھی قوسین میں (قلت) یا (یقول العبد الضعیف) کی قید کے بغیر ہے، لہٰذا اسے اتنی احتیاط برتنے والے مولانا بدر عالم میرٹھی کے کھاتے میں ڈال کر یا اسے فہم اور ترجمانی میں تسامح قرار دے کر دل کو بہلانا قطعاً قرین انصاف نہیں ہے یا پھر مفتی حامد نعمانی ہی فرمائیں کہ یہ دیانت کی کون سی قسم ہے؟

ب: اور پھر فیض الباری جیسی تالیف اور اس کے مرتب دارالعلوم دیوبند کے فاضل و مدرس مولانا بدر عالم میرٹھی کا جو فضل و مقام علمائے دیوبند اور بہ ذات خود مولانا منظور نعمانی کے نزدیک ہے وہ بھی کوئی معمولی اور محتاج تعارف نہیں ہے۔ بالفرض اگر یہ زیرِ بحث کلام مولانا میرٹھی کا ہی ہو تو پھر بھی اس سے جان چھڑانا کوئی آسان کام نہیں ہے یا اگر بالفرض شاہ صاحب کی ترجمانی کرنے میں مولانا میرٹھی سے تسامح ہوا ہے تو پھر اس فیض الباری اور اس میں موجود دیگر نکات و معارف اور علمی مباحث کی شاہ صاحب کی طرف نسبت کی کیا وقعت اور حقیقت رہ جائے گی؟ اور مولانا میرٹھی نے انتہائی محنت و مشقت سے اس کتاب کو جمع کر کے علمائے دیوبند پر جو احسان عظیم کیا ہے، اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟

❀...... دیوبندیوں کے بزرگ شیخ محمد تھانوی حنفی سنن نسائی پر اپنی تعلیق (۱/۲۶۰) میں خوارج سے متعلق ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ثم ليعلم أن الذين يدينون دين ابن عبد الوهاب النجدي ويسلكون مسالكه في الأصول والفروع ويدعون في بلادنا باسم الوهابيين وغير المقلدين ويزعمون أن تقليد أحد الأئمة الأربعة رضوان الله عليهم شرك، وأن من خالفهم هم المشركون، ويستبيحون قتلنا أهل السنة وسبي نسائنا وغير ذلك من العقائد الشنيعة التي وصلت إلينا منهم بواسطة الثقات وسمعناها بعضا منهم أيضا، هم فرقة من الخوارج وقد صرح به العلامة الشامي في كتابه رد المحتار."

پھر رد المحتار سے علامہ شامی کا مسلک بیان کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے:

"كما وقع في زماننا في أتباع ابن عبد الوهاب

الـذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكـانـوا ينتـحـلـون مـذهب الحنابلة لكنهم اعتـقـدوا أنهـم هم المسلمون وأن من خالف اعتقاد هم مشركون واستباحوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علماء هم حتى كسر الله شوكتهم وخـرب بلادهم وظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف . "

"پھر جان لینا چاہیے کہ بے شک وہ لوگ جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے دین کو اپنائے ہوئے ہیں اور اصول وفروع میں اس کے مسلک کے پیروکار ہیں اور ہمارے ہاں اُنھیں وہابی اور غیر مقلد کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیهم أجمعين میں سے کسی کی تقلید کرنا شرک ہے، جو لوگ ان کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں اور وہ اہل سنت کے قتل اور ان کی عورتوں کو قید کر لینے کو مباح خیال کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی ان کے انتہائی برے عقائد ہیں جو ہمیں ثقات کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں اور (ان ثقات) میں سے ہی بعض کو ہم نے سنا (وہ یہ بھی فرماتے ہیں) کہ یہ (محمد بن عبد الوہاب اور وہابی حضرات) خوارج کا فرقہ ہیں اور علامہ شامی نے تو اپنی کتاب ردالمحتار میں اس کی صراحت بھی کی ہے۔"

پھر تھانوی صاحب علامہ شامی کی ردالمحتار سے ان کا مسلک بیان کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے:

"جیسا کہ ہمارے زمانے میں محمد بن عبد الوہاب کے پیروکاروں سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدے کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انھوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو توڑ دیا، ان کے علاقوں کو تباہ کر دیا اور ۱۲۳۳ھ میں مسلمانوں کے لشکر نے ان پر غلبہ پا لیا۔"

اس مضمون کی تکمیل کے کچھ عرصے بعد مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی کی "شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے دو متضاد نظریے" نامی کتاب دیکھنے کا موقع ملا جو مولانا منظور نعمانی کی کتاب "شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ہندوستان کے علمائے حق" کے ردّ میں لکھی گئی ہے اور بلاشبہ مولانا فیضی نے جتنا لکھا ہے خوب لکھا ہے اور مولانا منظور نعمانی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں نواب صدیق حسن خان کی طرف جو باتیں تلبیسانہ انداز میں منسوب کی ہیں مولانا فیضی نے نواب صاحب کی کتابوں سے ہی ان کی حقیقت بھی بھرپور انداز میں واضح کر دی ہے اور ساتھ ہی مولانا فیضی نے (ص: ۸۳، ۸۴ پر) "جـامـع الشـواهـد فـي إخـراج الوهـابين عن الـمساجد" (مصنفہ مولانا وصی احمد سورتی حنفی) سے اکابر علمائے دیوبند کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

" **سوال**: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت والجماعت اس امر میں کہ یہ گروہ غیر مقلدین اہل سنت والجماعت میں داخل ہے یا مثل اور فرقوں کے اہل سنت سے خارج ہے؟

(۲) ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست اور ان کو اپنی مسجدوں میں آنے دینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ بينوا توجروا

جواب: جواب سوال اوّل کا یہ ہے کہ یہ فرقہ غیر مقلدین جن کی علامت ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر، یعنی آمین پکار کے کہنا اور رفع الیدین اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے، اہل سنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرقِ ضالہ: رافضی، خارجی وغیرہما کے ہیں۔"

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے دعاوی باطلہ کے ثبوت میں اپنے مزعومہ دلائل بیان کیے ہیں اور جماعت اہل حدیث کی طرف جھوٹے عقائد اور غلط مسائل منسوب کر کے اس کی بنا پر فتویٰ صادر فرمایا ہے: "غیر مقلدوں (یعنی اہل حدیث) سے مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے اپنی مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع

ہے۔'' اور یہ کہ ''ان (غیر مقلدوں) کے پیچھے نماز درست نہیں۔'' اس رسالے میں بہت سے علمائے احناف کے فتوے ان کی مہر اور دستخط کے ساتھ موجود ہیں۔ صفحہ ۹ پر جلی سرخی قائم کی گئی ہے:

''مواہیر دستخط علمائے لودھیانہ ودیوبند''

اس کے ذیل میں دیوبند اور لودھیانہ کے علماء کے فتوے درج ہیں۔ علمائے دیوبند نے مذکورہ سوال کا جو جواب لکھا ہے اور جس عبارت پر دستخط کیے ہیں وہ یہ ہے:

''عقائد اس جماعت کے جب خلافِ جمہور ہیں، بدعتی ہونا ظاہر اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازدواج کے اور تجویز تقیہ اور بُرا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحے میں ان کی احتیاط لازم ہے جیسے روافض کے ساتھ احتیاط چاہیے۔

حررہ محمد یعقوب النانوتوی عفی عنہ، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، محمد محمود دیوبندی عفی عنہ، محمود حسن عفا عنہ، ابوالخیرات سیّد احمد عفی عنہ۔'' (جامع الشواہد، ص:١١)

پھر مولانا فیضی صفحہ ٨٤ پر اس کے ردّ میں فرماتے ہیں:

''یہ اکابر دیوبند کا فتویٰ ہے۔ کسی حوالے اور ثبوت کے بغیر چند عقائد اور مسائل کو پوری جماعت اہل حدیث کی طرف منسوب کر کے کہہ دیا گیا کہ یہ بدعتی ہیں، فاسق یا کافر ہیں، مثل روافض کے ہیں۔''

قارئین کرام! آپ نے احناف کا تیار کردہ فتویٰ، اس میں اہل حدیث پر لگائی جانے والی فردِ جرم اور اس میں مذکور الزامات اور اکابر علمائے دیوبند کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اس فتوے کے رد میں مختلف علمائے اہل حدیث نے کتابیں تصنیف کیں، ان میں سے ایک "إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان" مصنفہ حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ (متوفی ١٣٣٧ھ) ہے۔ جو ١٩٨٢ء میں پاکستان میں بھی مولانا ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی۔ جس میں محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ جامع الشواہد کی وجہ تالیف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ رسالہ ''جامع الشواہد'' ١٨٨٣ء-١٣٠٤ھ کے لگ بھگ صادق پور (عظیم آباد، پٹنہ) کے علاقے میں اس زمانے میں چھاپ کر عوام میں تقسیم کیا گیا تھا جب مجاہدین صادق پور کے ایک بقیۃ السلف اور صاحب علم وفضل فرد فرید مولانا عبدالرحیم صادق پوری رحمہ اللہ جزائر انڈیمان (کالا پانی) میں بیس سال کی قید فرنگ سے رہا ہو کر صادق پور اس پابندی کے ساتھ آئے تھے کہ وہ دو وقت روزانہ انگریزی تھانے میں اپنی حاضری لکھوائیں۔ اس پُر آشوب دور میں جب کہ ''وہابی'' (اہل حدیث) حکومت کے مظالم کا خاص ہدف تھے۔ مذکورہ بالا فتویٰ (ایک ایسے رسالے کے ساتھ) انگریزی حکومت کی سرپرستی میں تقسیم کرایا گیا، چنانچہ انگریزوں کا مقصد پورا ہوا کہ اس علاقے (بہار وغیرہ) میں اہل حدیث کو جبراً مسجدوں سے نکالنے کی پوری کوشش کی گئی اور نوبت عدالتوں میں مقدمات جانے تک پہنچ گئی جن کی تفصیل ان روئدادوں میں موجود ہیں جو اس سلسلے میں رسالوں کی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔'' (إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان، ص: ١٠)

قارئین کرام! شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے عقائد ونظریات کے بارے اکابر علمائے دیوبند کے عقائد ونظریات اور ان مسلک بالکل واضح ہے جو کسی بھی تاویل کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن اپنے بزرگوں کے برخلاف کچھ عرصے سے بعض حضرات کی طرف سے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تأثر اور حسن ظنی کی فضا جو سامنے آ رہی ہے، خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں، قطع نظر اس سے کہ یہ بہ ذات خود خوش آئند ہے۔ لیکن بے جا تاویلات اور تکلّفات کے ذریعے حقائق کو بدل کر تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی کوششیں ہرگز قرین انصاف نہیں ہیں اور نہ ہی یہ خدمت مسلک واکابر ہے۔

نقطۂ نظر

شیعہ سنی تصادم کیوں اور تدارک کا لائحہ عمل

عطاء محمد جنجوعہ

برصغیر پاک وہند میں شیعہ اور اہل سنت باہمی اختلاف کے باوجود امن وسکون سے رہ رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے لیکن آج وہ تصادم کی راہ پر گامزن ہیں، کیوں؟

برصغیر میں شیعیت کے فروغ کا آغاز اس وقت ہوا جب ہندوستان کے حکمران ہمایوں کے دربار میں ایرانی امراء کا اثر ورسوخ بڑھ گیا حتی کہ جہانگیر نے تختِ ہند کی باگ ڈور اپنی ایرانی النسل بیوی نور جہاں کو سونپ دی۔ امراء کے ساتھ آئے ہوئے شیعہ مبلغین نے مسئلہ خلافت وفدک اور واقعہ کربلا کی من مانی تعبیر اس طرح پیش کی کہ عام فہم اہل سنت گومگو کیفیت میں مبتلا ہوگئے۔ اس دور میں مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما نے یکے بعد دیگرے شیعہ اعتراضات کا مدلل انداز میں رد کیا۔

چودھویں صدی ہجری کے ابتدائی دور میں لکھنو کے شیعہ عالم مقبول احمد کی تقاریر اور تصانیف نے عوام الناس میں تہلکہ مچا دیا۔ گلی کوچوں میں کوئی شیعہ کسی اہل سنت کو دیکھ لیتا تو اُس سے کہتا: دیکھو! ہمارے عالم نے تمھارے مذہب کا کس طرح رد کیا ہے، اب تم میں کوئی نہیں جو اس کا جواب دے سکے۔ تاریخ کے نازک موڑ پر مولانا محمد عبد الشکور فاروقی رحمہ اللہ نے شیعیت کے اعتراضات کا عقلی ونقلی دلائل سے جواب دے کے اہل سنت کی حقانیت کو اُجاگر کیا۔ انھوں نے علماء کی کھیپ تیار کی جنھوں نے دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فریضہ سر انجام دینے کے لیے تنظیم اہل سنت کی بنیاد رکھی۔ سیّد نور الحسن شاہ بخاری، علامہ دوست محمد قریشی، سیّد احمد شاہ چوکیروی اور قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہم نے قریہ قریہ، بستی بستی جا کر خلفائے راشدین کی حقانیت کو اُجاگر کیا اور شیعہ اعتراضات کے سلسلے میں اپنی تبلیغی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور پر امن ماحول میں رہ کر شیعہ مبلغین سے مناظرے کیے۔ اسی طرح خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا محمد صدیق لائل پوری اور علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہم نے تحریر وتقریر کے ذریعے دعوتی اصلاحی انداز میں عظمتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فریضہ احسن طریق سے سرانجام دیا اور شیعہ کتب کی روشنی میں دلائل سے ثابت کیا کہ حضرت علی اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے مابین برادرانہ تعلقات تھے۔ اس دعوت وتحقیق سے اہل سنت عوام میں مدافعانہ صلاحیت پیدا ہوگئی اور عوام میں شیعیت کے فروغ کا رجحان مدھم پڑ گیا۔ اس دور تک شیعہ ذاکرین اور اہل سنت علماء کے پرمغز خطابات ایک دوسرے کو دعوت فکر دیتے تھے۔ عوام ایک دوسرے کے مذہبی پروگراموں میں شریک ہوکر تحقیقی سوال کرتے، جلسوں کے دوران اپنے مسلک کی سربلندی اور اسلاف کی عظمت کے نعرے ضرور لگتے تھے لیکن ایک دوسرے کے خلاف اشتعال انگیز نعروں کی فضا نہ تھی۔ البتہ بعض شیعہ مصنّفین اتنا ضرور لکھتے کہ جو اہل بیت عظام کے ایمان کے بارے بدگمانی کرے وہ یزیدی ہے۔ ایسے ہی اہل سنت کہتے جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے تبرا کرے وہ رافضی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اہل سنت اور شیعہ علماء نے تحریکِ پاکستان، تحریک ختمِ نبوت اور تحریک نظامِ مصطفیٰ میں متحد ہوکر بھرپور کردار ادا کیا اور کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔ شیعہ اور اہل سنت عوام پُر امن ماحول میں رہ کر بحث ومباحثہ کرتے، وہ تحمل وبردباری سے دوسروں کا موقف سنتے اور اصلاحی انداز میں جواب دیتے۔ لیکن عوام میں نفرت کی خلیج اُس وقت حائل ہوئی جب پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور اس کے ردّعمل میں سپاہِ صحابہ منظرعام پر آئیں جن کی ذیلی شاخیں آناً فاناً پورے ملک میں پھیل گئیں۔ تکفیری توپ خانوں سے ایک دوسرے پر گولے برسنے شروع ہوگئے، مذہبی تصادم کے دوران نامور علماء ہلاک ہوئے، مساجد، مزاروں اور امام بارگاہوں میں خودکش دھماکوں سے بے گناہ شہری ہلاک ہوئے۔ غور طلب پہلو یہ ہے کہ مذہبی تصادم

کو بھڑکانے والی لابی کا ممکنہ مقصد کیا ہوسکتا ہے؟
صہیونی تنظیم نے یہودی پروٹوکول کی پیش قدمی کے لیے یورپ کو دو بلاکوں میں بانٹ دیا۔ مشرق میں سوشلزم اور مغرب میں جمہوریت کو فروغ دیا۔ روس اور امریکا اپنے اپنے نظاموں کی نشر واشاعت میں سر گرم عمل رہے۔ جمہوریت کو آزادی، مساوات واُخوت کے اجزائے ترکیبی کی بناپر عالمی سطح پر پذیرائی ملی جب کہ سوشلزم کی حوصلہ شکنی ہوئی تو صہیونی لابی نے جمہوری فیڈریشن کی صورت میں اپنی عالمی حکومت قائم کرنے کا تہیہ کرلیا اور سوشلزم کو ناکام نظام ثابت کرنے کا منصوبہ بنایا۔
پاکستان کے سیاسی لیڈر نے روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا جس کو الیکشن میں کامیابی حاصل ہوئی۔ عوام میں حقوق کے حصول کے لیے سیاسی شعور کی آبیاری ہوئی لیکن اس دور میں بے حیائی کا رجحان بڑھ گیا اور لوگ آٹا، چینی کے حصول کے لیے ڈپو کی لمبی لائنوں سے تنگ آ گئے۔ مزید برآں اسلامی جمہوریت کے داعی علماء نے سوشلزم کے خلاف کفر کے خلاف فتوے دائر کیے، عوام سڑکوں پر نکل آئے، تحریک نظام مصطفیٰ نے شدت اختیار کرلی جس کو سمیٹنے کے لیے ملک میں مارشل لا آ گیا۔ جنرل ضیاء الحق نے ملک میں اسلام نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ اس دوران روس کی فوجیں افغانستان میں داخل ہوئیں۔ پاکستان کو اپنی سلامتی کا خطرہ لاحق ہوا۔ حکومت پاکستان نے دفاعی پالیسی اختیار کی اور ملک بھر میں جہادی تنظیموں کی سرپرستی کی جنھوں نے افغان بھائیوں سے مل کر روس کے خلاف جہاد میں اہم کردار ادا کیا۔ اسلامی تعلیم حاصل کرنے والوں کی وفاق کی ڈگری کو ایم۔اے کے مساوی قرار دیا۔ دفاتر اور اداروں میں اسلامی تشخص کو اُجاگر کیا گیا۔ اس دوران ملک بھر میں شریعت کے نفاذ کے لیے تنظیمیں قائم ہوئیں۔ ایران میں انقلابی حکومت قائم ہونے سے پاکستان کے شیعوں کو تقویت حاصل ہوئی۔ تحریک جعفریہ نے جداگانہ مذہبی حقوق کا مطالبہ منوانے کے لیے اسلام آباد کا گھیراؤ کرلیا۔ اس کے ردعمل میں سپاہ صحابہ نمودار ہوئی۔
جوں ہی روسی فوج کا افغانستان سے انخلا مکمل ہوا اور سوشلزم کا نظریہ دریائے آموز کی لہروں میں تحلیل ہوکر رہ گیا تو صہیونی لابی نے پاکستان میں اسلامائزیشن کی لہر کو سیکولرزم میں ڈھالنے کی پالیسی اپنالی۔ روسی فوج کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرنے والی پاکستان کی فوجی قیادت کو بہاولپور کی فضا میں ہلاک کردیا گیا اور جہادی تنظیموں پر پابندی عائد ہوگئی لیکن شیعہ سنی تنظیموں کی سرپرستی جاری رہی۔ مبینہ قاتلوں کا پولیس کی گرفت سے بھاگ جانا اور جیل سے اُن کا فرار ہونا اس کا بین ثبوت ہے۔
بے گناہ افراد کو قتل کرنے کی شیعہ مذہب اجازت دیتا ہے نہ اہل السنۃ کا مذہب تو پھر یقیناً مساجد اور بارگاہوں میں خودکش دھماکے صہیونی تنظیم کی لابی کی کارروائی ہوسکتی ہے۔ مذہبی قیادت ایسا ہرگز نہیں کرسکتی۔ اس مذہبی تصادم کو میڈیا نے دہشت گردی سے تعبیر کیا۔
جب شیعہ اور اہل سنت عوام میں نفرت وعداوت کی دیوار حائل ہوگئی تو حکومت نے تحریک اور سپاہ کو دہشت گرد تنظیموں کی فہرست میں شامل کردیا اور ان کے جلسوں پر پابندی عائد کردی گئی۔ سپاہ کے کارکنوں کو طالبان کی آڑ میں پکڑ کر ان پر تشدد کیا گیا۔
اہل سنت کی محفل قراءت ونعت کی منظوری پیچیدہ مسئلہ بن گئی کیونکہ منظوری کے لیے انتظامیہ کے کئی دروازوں پر دستک دینا پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں خدانخواستہ ضلع میں کسی جگہ دہشت گردی کی واردات ہوجائے تو ضلع بھر میں جلسے کرانے والی مسجد ومدرسہ کی انتظامیہ کے ارکان کی گرفتاری وتفتیش کا عمل شروع ہوجاتا۔
حکومت نے مبینہ دہشت گردوں پر کنٹرول کرنے کی بجائے مساجد میں خطبہ جمعہ کے لیے لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کردی۔ صہیونی لابی کے نظریہ ضرورت کے تحت اسلامائزیشن کو پروان چڑھایا۔ جب اُن کا مقصد پورا ہوگیا، یعنی سوشلزم کا نظریہ دفن ہوگیا اور روس نے جمہوری نظام کو اپنانا شروع کردیا تو صہیونی لابی نے وطن عزیز کو ایسے سنگین حالات سے دوچار کردیا کہ صوم وصلاۃ کی ادائیگی اور اسلامی تشخص کو اپنانا بھی دہشت گردوں کی علامت بن گیا۔ صہیونی تنظیم نے سوشلزم کو بھسم کرنے کے بعد اسلام کو ہدف بنالیا۔
دردر کی ٹھوکریں کھانے والے یہودیوں نے یورپ کو دو نظریاتی بلاکوں میں بانٹ دیا۔ اُن کو آپس میں لڑا کر منہ مانگے حقوق حاصل کیے حتی کہ صہیونی تنظیم یورپ میں اس قدر متحرک وفعال ہے کہ ان کی حمایت کے بغیر کوئی سیاسی جماعت الیکشن میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اب صہیونی تنظیم مسلم ممالک میں شیعہ، سنی، مذہبی فساد بھڑکا کر

ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تا کہ اسرائیل کی راہ ہموار ہوجائے۔صہیونی منشا یہ ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں جہاں سے اُن کو خباثتوں کی بنا پر نکالا گیا تھا، دوبارہ داخل ہوسکیں۔

دین اسلام امن وسلامتی کا نام ہے جو محض مذہبی اختلاف کی بنیاد پر کسی کافر کو قتل کرنے سے منع کرتا ہے حتی کہ محسن انسانیت ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو اُس کی خباثتوں کے باوجود قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تا کہ دشمن قوتیں اسلام پر دہشت گردی کا الزام عائد نہ کردیں کہ مسلمانوں میں ایک دوسرے کا خون بہانا بھی جائز ہے، اس لیے شیعہ سنی ہونے کی بنا پر علماء کو قتل کرنا اور مساجد وامام بارگاہوں میں دھماکے کرکے بے گناہ شہریوں کو ہلاک کرنے والوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ درحقیقت یہ ان کا کام ہے جو مذہبی فساد بھڑکا کر مسلم دنیا پر غلبہ قائم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ عالم اسلام میں شیعہ سنی فساد کے صہیونی شعلے کو بجھانے کے لیے او۔آئی۔سی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہل سنت اور شیعہ تنظیموں کے علماء اور لیڈروں کا مشترکہ اجلاس بلا کر امن وسلامتی اور یک جہتی کا لائحہ عمل وضع کریں۔

پاکستان میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور سپاہ صحابہ کے مابین تصادم میں ہلاکتوں کی تعداد میں اضافہ تیز تر ہوا تو مذہبی جماعتوں نے وطن عزیز میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے ملی یکجہتی کونسل تشکیل دی۔ سرکردہ علماء نے باہمی صلاح مشورے سے ضابطہ اخلاق تیار کیا جس کے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے اور خفیہ قوت کے مذموم عزائم خاک میں مل گئے۔تب کیا ہوا کہ ملی کونسل نے اتحادی قوت کو انتخابی سیاست میں دھکیل دیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ ملی امن وسلامتی کا خواب ادھورا رہ گیا۔

اگرچہ فسادات کی شدت تو ختم ہوگئی ہے لیکن گاہِ گاہِ سانحات رونما ہوتے رہتے ہیں، خصوصاً محرم کے دنوں میں امن وامان قائم کرنا حکومت کے لیے پیچیدہ مسئلہ بن جاتا ہے۔سخت انتظامات کے باوجود چند نئے مقامات پر تصادم ہو ہی جاتا ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ملی یکجہتی کونسل کو از سر نو غیر سیاسی بنیاد پر قائم کیا جائے جس کو ملک بھر میں کم از کم ضلعی سطح تک منظّم وفعال کیا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر مذہب وملت کی عبادت مخصوص عبادت گاہوں میں کی جاتی ہے اور غم اور خوشی کے تہوار مخصوص کھلے مقام پر منائے جاتے ہیں۔کسی مذہب کے بانی نے جلوس کی صورت میں سڑکوں اور بازاروں میں غم اور خوشی کا اظہار کرنے کا حکم نہیں دیا۔گلی کوچوں میں نعرہ بازی کرنا عبادت نہیں جمہوری پارٹیوں کی طرح سیاسی قوت کا مظاہرہ ہے۔نام وَر شیعہ علماء اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے محتاط الفاظ بیان کرتے ہیں لیکن عام ذاکرین چوراہوں میں حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے ایسے جملے ادا کرتے ہیں جس کو سن کر اہل سنت کے جذبات مشتعل ہوجاتے ہیں۔

شیعہ قائدین وطن کی سلامتی ویکجہتی کی خاطر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ ماتمی جلوس کو امام بارگاہوں تک محدود رکھیں تو اُن کا یہ فیصلہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما ۱۰ محرم الحرام کو کربلا میں ساتھیوں سمیت شہید ہوئے۔اہل سنت اُن کے عزم واستقلال کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے حقیقی طرز عمل کے علَم بردار ہیں۔شیعہ صاحبان یکم سے دس محرم تک شہدائے کربلا کی یاد میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں جس میں وہ ائمہ کرام کے فضائل ومصائب بیان کرتے ہیں، یہ اُن کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شیعوں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ خلفائے ثلاثہ جو اس سانحے سے پہلے فوت ہوچکے ہیں، اُن پر تبرا بازی سے گریز کریں۔ مثلاً: ''رات کی تاریکی میں ساتھ دینے والے دوست نہیں ہوتے۔ اٹھاتے کیوں نہیں نبی کا جنازہ، کہاں مرگئے بیٹیاں دینے والے۔'' یہ الفاظ صریحاً یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر براہِ راست الزام تراشی ہے۔اس قسم کا اندازِ تقریر تصادم کا موجب بنتا ہے، اس لیے شیعہ قائدین اپنے مقررین کو محتاط الفاظ میں مصائب بیان کرنے تلقین کریں۔

سانحہ کربلا ۱۰ محرم کو ہوا، اہل سنت اُس دن امن عامہ کے تحت چار دیواری سے باہر نہ نکلیں اور نہ ہی چھت پر چڑھ کر جلوس دیکھیں۔ خدانخواستہ صہیونی لابی تخریبی کارروائی کرے اور خواہ مخواہ اہل سنت تماشائیوں کی شامت آجائے۔

ماتمی لباس میں ملبوس شیعہ اہل سنت کو روز مرہ لباس میں دیکھ کر آگ بگولا ہوجاتے ہیں اور وہ اہل سنت کے اسلاف پر طعن وتشنیع شروع کردیتے ہیں، اس طرح تصادم کا خطرہ لاحق رہتا ہے، چنانچہ

اہل سنت ۹ اور ۱۰ محرم کو روزہ رکھنے کو معمول بنالیں۔

شیعوں کا بھی اخلاقی فرض ہے کہ اگر کسی سنی محلے میں دو تین شیعہ گھرانے آباد ہوں تو اُن کی آڑ لے کر جلسوس کا نیا راستہ اختیار کرنے سے اجتناب کریں۔ انتظامیہ اس موقع پر عموماً چوکس ہوتی ہے۔ قانونی طور پر اُن کا فرض منصبی ہے کہ انھیں نیا راستہ اختیار نہ کرنے دیں۔

شیعہ صاحبان جن ائمہ کرام کو اپنا امام و پیشوا تسلیم کرتے ہیں اہل سنت بھی اُن کی قدر و منزلت کے قائل ہیں بلکہ اہل بیت سے محبت اہل سنت کے ایمان کی بنیاد ہے۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ اہل سنت کا اخلاقی فرض ہے کہ امام غائب کی پیدائش سے متعلق واقعات کو ہتک آمیز انداز میں ہرگز بیان نہ کریں۔

شیعہ پندرہ شعبان کو جشن ظہور امام زمانہ مناتے ہیں۔ اس موقع پر عموماً مقررین بیان کرتے ہیں کہ امام زمانہ آکر غاصبین سے اس طرح کا انتقام لیں گے۔ شیعہ حضرات بھی اس قسم کے فتنہ انگیز بیانات سے اجتناب کریں۔

شیعہ سنی تصادم کے دور میں دل آزار اور فتنہ انگیز کتابیں شائع ہوئیں، اُن کو ضبط کیا جائے اور آئندہ اشاعت پر پابندی لگائی جائے۔ البتہ وہ کتب جن میں شیعہ اور اہل سنت علماء نے تحقیقی انداز میں اپنے موقف کی وضاحت کی ہو اور عقلی و نقلی دلائل کی روشنی میں الزامات کو رد کیا ہو، اس قسم کی کتابوں کی اشاعت بدستور جاری رہنی چاہیے تاکہ کفریہ توپ خانہ بند ہو اور تحقیقی ذوق پروان چڑھے۔

محرم کے دنوں میں ریڈیو، ٹی وی پر شہدائے کربلا کے فضائل و مناقب بیان کرنے پر اہل سنت کو قطعاً اعتراض نہیں لیکن اس سانحے کی آڑ میں شیعہ عقائد کا پرچار فتنہ انگیزی ہے، چنانچہ اس قسم کے مقررین کے پروگرام قطعاً نشر نہ کیے جائیں۔ محرم کی طرح خلفائے راشدین کے یوم وفات پر دیگر تفریحی پروگرام بند کیے جائیں۔ ان مخصوص ایام میں خلفاء کے فضائل و مناقب اور اسلامی خدمات کو دعوتی و اصلاحی انداز میں پیش کیا جائے۔

شیعہ کا مذہبی فرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا قائل ہے لیکن وہ خلفائے راشدین کی شان میں توہین نہیں کرتے۔ وہ مسلم ممالک میں جہاں آباد ہیں وہاں آج تک دنگا فساد کی نوبت نہیں آئی اور وہ امن و امان سے رہ رہے ہیں۔ ان کے برعکس وہ شیعہ جو تبرا بازی کو عقیدے کی پہچان سمجھتے ہیں، ان لوگوں کے ایسے رویے کی روک تھام ازحد ضروری ہے۔

ڈاکٹر موسیٰ الموسوی شیعہ قیادت کے مرکز امام الاکبر سیّد ابوالحسن الموسوی الاصفہانی کے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اجتہاد کے موضوع پر فقہ اسلامی میں ایم۔ اے کی ڈگری نجف اشرف یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں تہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کیا۔ ایران و عراق کے علاوہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں اسلامی قانون و فلسفے کے استاد رہے۔ علامہ خمینی کی جلا وطنی کے ایام میں اُن کے کام آئے۔ انھوں نے شیعہ و دیگر اسلامی فرقوں کے مابین گروہی اختلاف کی بیخ کنی کے لیے "الشیعـــہ و تصحیح" تحریر کی جو عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں شیعہ سنی نظریاتی اختلاف کی شدت کو راہِ اعتدال پر لانے کے لیے مؤثر اور کارگر ثابت ہوسکتی ہے، چنانچہ ہفت روزہ میگزین اور ماہنامہ ڈائجسٹ میں اس کا ترجمہ قسط وار شائع کریں۔ مزید برآں ملی یکجہتی کونسل یا دیگر کوئی ادارہ اسے لاگت قیمت پر کتابی صورت میں شائع کرکے فروخت کا اہتمام کرے تو اس سے یقیناً شیعہ سنی اتحاد میں مثبت اور تعمیری انداز میں پیش رفت ہوسکتی ہے۔

اہل بیت عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی حرام ہے۔ حکومت علماء اور قانونی ماہرین کو اعتماد میں لے کر اس کی سزا متعین کرے جس پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے تاکہ مذہبی تصادم کا فتنہ زمین میں دفن ہوجائے۔

شیعہ سنی مذہبی تصادم کے بنیادی سبب اور تدارک کے چند بنیادی پہلوؤں پر اظہار خیال کیا ہے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ علماء کے مشورے سے حتمی لائحہ عمل تیار کرے جس کو قانونی شکل دینے سے صہیونی تنظیم کی نظریاتی جنگ کے شعلوں کو بجھایا جاسکتا ہے۔ امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کے فارمولے سے وطن عزیز میں پائیدار امن و استحکام قائم ہوجائے گا اور صہیونی ورلڈ آرڈر کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

تذکرہ علمائے اہل حدیث

بقیۃ السلف مولانا عطاء اللہ امرتسری رحمہ اللہ

آپ کی خطابت پر حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کی خطابت کا رنگ پوری طرح غالب تھا

ترتیب: حافظ محمد عبدالاعلیٰ درانی، بریڈفورڈ، برطانیہ

نمونہ اسلاف حضرت مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ اتوار ۲۴؍جون ۲۰۱۲ء-۳؍شعبان ۱۴۳۳ھ کی صبح فیصل آباد میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر تقریباً ۷۵ برس تھی۔ ولادت قیامِ پاکستان سے نو دس پہلے امرتسر کے نواحی علاقے سلطان ونڈ میں ہوئی۔ بچپن ہیراپور میں گزرا، ننھیال کا تعلق مجیٹھے سے تھا اور یہ علاقہ ''ماجھے کا'' کہلاتا تھا جسے پنجابی ادب میں بڑی رومانوی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے والد کا نام میاں فضل الٰہی اور دادا میاں رنگ الٰہی اس وقت کی حکومتِ پنجاب کے منشی کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی آواز اتنی خوبصورت تھی کہ محلے کی چوپال میں شام کو جمنے والی محفل کی جان شمار ہوتے تھے۔ یہی خوبصورت اور مترنم آواز اس نسل میں صرف ایک بچے کو ملی، دادا کے بعد والد اور ان کے بعد راقم کو عطا ہوئی۔

دادا جی میاں فضل الٰہی نے کسی بات سے متاثر ہو کر مسلک اہل حدیث قبول کر لیا تھا جس پر انھیں خاندانی حویلی سے نکال دیا گیا۔ برادری نے بائیکاٹ اور حقیقی ماموں نے طے شدہ رشتہ توڑ دیا۔ میاں صاحب نے پھر بھی ہار نہیں مانی۔ بڑی غربت اور کسمپرسی میں وقت گزارا لیکن عقیدہ توحید پر پامردی سے جمے رہے۔ بڑے بیٹے عطاء اللہ نے امرتسر کے مشہور ولی کامل مولانا نیک محمد رحمہ اللہ سے صحبت صالح پائی اور حضرت مولانا محمد عبداللہ ویروالوی سے قرآن مجید پڑھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا ویروالوی رحمہ اللہ نے جناح کالونی، فیصل آباد میں مدرسہ دارالقرآن بنا لیا تو اس ہونہار شاگرد نے اپنے استاد مولانا عبداللہ سے حدیث کا سبق پھر شروع کر دیا۔ چنیوٹ گڑھا محلّہ میں رہنے کی وجہ سے وہاں کے اکابر مولانا محمد عبداللہ معمار امرتسری رحمہ اللہ اور حافظ بدرالدین آف بدوملہی رحمہ اللہ (مقیم چنیوٹ) جو محدث پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان وزیرآبادی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے، ان کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا۔ مومن آباد (فیصل آباد) میں دورانِ قیام مناظر اسلام حضرت مولانا احمد دین گکھڑوی رحمہ اللہ سے بھی علمی استفادہ کیا۔ حافظ بدرالدین رحمہ اللہ سے تلمیذانہ تعلق بڑا عرصہ رہا۔ حافظ بدرالدین نے ان کی تقریب شادی میں شرکت کی اور ان کا نکاح بھی حافظ بدرالدین رحمہ اللہ نے پڑھایا تھا۔ ان کے علاوہ مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ کا شمار مولانا ثناء اللہ امرتسر اور مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مجاہد کبیر حضرت سیّد داود غزنوی اور حضرت العلام مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہم اللہ کے خاص ارادت مندوں میں سے تھا۔

تعمیر مساجد اور جامعہ سلفیہ سے والہانہ محبت:

پاکستان ہجرت کے بعد آپ کا خاندان چنیوٹ قیام پذیر ہو گیا۔ اور آپ نے کسبِ معاش کے سلسلے میں فیصل آباد میں ڈیرے ڈال دیے۔ آپ جہاں بھی رہے وہیں مساجد اہل حدیث بنانے میں کوشاں رہے، گویا مساجد اہل حدیث بنانا اپنی زندگی کا بہترین عمل سمجھ رکھا تھا۔ اپنے بیٹوں کو بھی ہمیشہ اسی کی تلقین کرتے اور جب بھی وہ کہیں مسجد اہل حدیث بنانے کا کام شروع کرتے تو بڑی دعائیں دیتے۔ کہا کرتے تھے کہ اہل حدیث مسجد جس علاقے میں ہو وہاں خیر ہی خیر ہو گی اور اس علاقے کے مکین بڑے ہی خوش قسمت ہوتے ہیں کیونکہ یہ توحید خالص اور اتباعِ سنت، حبِ اہلِ بیتِ اطہار اور حب صحابہ کے اصل مراکز ہیں۔ وہ اپنی اولاد کو تلقین کرتے کہ جہاں بھی رہو مسجد اہل حدیث بناؤ اور اسی کے پڑوس میں رہو۔ سب سے پہلی

اہل حدیث مسجد چنیوٹ میں نشاط سلک کے مالک حاجی صاحب کے ساتھ بنائی، پھر برکت پورہ (فیصل آباد) میں بنائی اور برسوں وہاں خطبہ دیتے رہے۔ بعد میں جب آپ منصور آباد منتقل ہوگئے تب بھی سات آٹھ میل کا فاصلہ طے کرکے خطبہ دینے جاتے اور یہ سارا کام فی سبیل اللہ کرتے۔ نمازیوں کا کہنا تھا کہ آپ سخت گرمی کے موسم میں بھی کسی سے پانی تک نہ منگواتے بلکہ مسجد کے نل سے پانی نکال کر پیالے میں شکر ڈال کر پی لیتے۔

۶۴ء میں منصور آباد (فیصل آباد) میں حاجی ابراہیم سے مل کر ایک مسجد بنائی جو بعد میں دیوبند حضرات کا مرکز بن گئی کیونکہ وہاں جماعتی افراد موجود ہی نہ تھے، پھر انھوں نے اپنے محلے اور اردگرد میں بکھرے ہوئے اہل حدیث افراد کو اکٹھا کیا۔ میاں اللہ بخش کمیر پوری رحمہ اللہ، جو ہندوستان میں روپڑیوں کے مدرسے کے سفیر اور حافظ ابراہیم کمیر پوری اور حافظ مشتاق کمیر پوری رحمۃ اللہ علیہما کے سسر تھے، کے صاحبزادے حافظ عبدالرحمٰن کمیر پوری نور اللہ مرقدہ، مولانا عبدالرشید قمر رحمہ اللہ کے عزیز حاجی محمد یوسف، شیخ الحدیث مولانا علم الدین (شیخوپورہ) تلمیذ رشید حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے اقرباء مستری عبدالواحد، مستری محمد صادق برادران رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ مل کر مسجد اہل حدیث رحمانیہ بنائی۔ جہاں حافظ محمد اکبر جاوید صاحب فاضل جامعہ سلفیہ چالیس سال سے خدمتِ توحید وسنت میں مصروف ہیں۔

اسی طرح جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا قیام جو پاکستان بننے کے بعد ملک میں سلفیوں کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی دینی دانش گاہ کے طور پر معرض وجود میں لایا گیا، اس سے بھی مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ کو والہانہ محبت تھی۔ جامعہ سلفیہ کا جب سنگ بنیاد رکھا گیا وہ واقعات انھیں کبھی نہیں بھولے۔ جو اکابر اس وقت موجود تھے ان سے ہمیشہ عقیدت واحترام کا تعلق رہا۔ حضرت سید داود غزنوی، حضرت حافظ محمد گوندلوی، حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی، حضرت میاں محمد باقر، حضرت مولانا محمد صدیق کرپالوی، حضرت مولانا محمد اسحٰق چیمہ رحمۃ اللہ علیہم اور تمام دیگر اصحاب علم وفضل کے لیے ہمیشہ دعا گو رہے۔ ان کے بچھڑنے کا بڑا غم ظاہر کرتے کہ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد جینے کا لطف ہی نہ رہا اور یہ آیت پڑھ کر بہت رویا کرتے تھے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ۲۳]

''مومنوں میں ایسے مرد بھی ہیں جنھوں نے جو عہد اللہ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی موقع کا منتظر ہے مگر کسی نے بھی اپنا رویہ نہیں بدلا۔''

اس دور میں بالعموم جمعہ کی نماز جامعہ سلفیہ ہی پڑھنے جاتے حالانکہ ان کے گھر سے تین چار میل کا فاصلہ تھا۔ خاص طور پر عیدین تو وہاں ضرور پڑھتے۔ جامعہ سلفیہ سے تعلق کی ایک وجہ اور بھی تھی کہ ولی کامل حضرت میاں محمد باقر رحمہ اللہ آف جھوک دادو نے ایک دفعہ عید کی نماز جامعہ سلفیہ میں پڑھانا تھی تو آپ بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے بیٹے کو گود میں اٹھا کر تین چار میل کا فاصلہ طے کرکے گئے۔ نماز کے بعد اس بیٹے کو میاں صاحب کی گود میں ڈال دیا اور دعا کی درخواست کی کہ اللہ! اسے اپنے دین کے لیے قبول فرمالے، میں نے اس سے دنیا کا کوئی کام نہیں لینا۔ میاں صاحب نے اتنے خشوع وخضوع اور اتنی طوالت کے ساتھ دعا مانگی کہ دعا کی قبولیت کا وہیں یقین آگیا اور حق تعالیٰ نے اسی بچے کو اپنے دین کے لیے وقف فرما لیا۔ بعد میں یہی بچہ حافظ عبدالاعلیٰ کے نام سے معروف ہوا۔ اسی وجہ سے جامعہ سلفیہ سے انھیں بہت محبت اور لگاؤ رہا۔ زندگی کے آخری دنوں میں اپنے ذاتی اخراجات سے پیسے بچا کر خفیہ طور پر جامعہ سلفیہ کو بھجواتے رہے۔ جناب صوفی احمد دین صاحب (فیصل آباد والے) سے جب بھی ملاقات ہوتی ان کی جامعہ سلفیہ سے محبت کو بہت سراہتے۔

مولانا عطاء اللہ نے اپنی اہلیہ کی وفات (نومبر ۲۰۰۶) کے بعد کھڑیانوالہ (فیصل آباد) میں فریال مسجد اہل حدیث کی بنیاد رکھی جسے راقم نے اپنے خرچ سے تعمیر کیا۔ اسی مسجد میں درس قرآن وتدریس اور خطابت کی ذمہ داری انھوں نے ہی نبھائی۔ اور زندگی کے آخری پانچ

سال اسی مسجد کے حجرے میں گزار دیے۔ جماعتی طور پر آپ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہی کو اول و آخر مرجع جانتے تھے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے حافظ عبدالا علیٰ جب مرکز اہل حدیث کے ناظم بنے تو مولانا عطاء اللہ بڑے خوش ہوئے اور کبھی کبھی بتائے بغیر ہی دفتر حاضری دیتے۔فریال مسجد کے سنگ بنیاد پر زیر سرپرستی مرکزی جمعیت اہل حدیث، ۱۰۶ راوی روڈ، لاہور لکھوایا تاکہ مرکزی جمعیت کا نام اُجاگر رہے۔

علماء اسلاف واخلاف کا احترام:

مولانا عطاء اللہ مرحوم بڑے صالح، خاموش طبع اور ولی اللہ انسان تھے۔ سلف صالحین سے غایت درجہ محبت کرتے تھے۔ کسی مرحوم یا موجود عالم دین کا بغیر لقب کے نام نہ لیتے اور نہ لینے دیتے تھے۔کوئی ان کے سامنے حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو شیخ الاسلام کے لقب بغیر یاد نہیں کرسکتا تھا۔حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہ اللہ کو شیخ القرآن ہی کے لقب سے یاد کرتے۔حضرت شیخوپوری رحمہ اللہ کے انتقال پر راقم نے ماہنامہ صراط مستقیم (برمنگھم) میں ایک تعزیتی مضمون لکھا۔مولانا عطاء اللہ نے اسے سراہا مگر یہ بات نوٹ کروائی کہ اس کے عنوان میں حضرت شیخ القرآن کے اسم گرامی کے ساتھ رحمہ اللہ نہیں لکھا گیا۔آئندہ ایسی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ نوجوانوں کے اپنے علماء کے ساتھ غیر مودبانہ رویے کو ساری محرومیوں کا سبب جانتے تھے ؏

بے ادب محروم گشت از فضل رب

مدارس سلفیہ کے نصاب میں بلوغ المرام کی بجائے ریاض الصالحین کو شامل نہ کرنا بڑی غلطی جانتے تھے کیونکہ اسی وجہ سے ہمارے طلباء کا مزاج زاہدانہ کی بجائے مجادلانہ بن گیا ہے۔ فقہی مسائل میں تشدد اور انتہا پسندی سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ جب صحابہ کبار کے مابین اختلاف کے باوجود رواداری تھی تو ہم اسے کفر واسلام اور زندگی وموت کا مسئلہ کیوں بنائے ہوئے ہیں۔

ریاض الصالحین کے علاوہ تفسیر ابن کثیر اور قصص المحسنین اور احوال لآخرت سے بہت محبت تھی، انھی کتابوں کو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتے۔منصورآباد جب مسجد اہل حدیث بنی تو برسوں ریاض الصالحین کا درس دیا۔ وہ خالص عربی نسخہ تھا۔ بچپن کی وجہ سے مجھے بڑی حیرانی ہوتی تھی کہ آپ اس کا ترجمہ کیسے کرلیتے ہیں۔کہا کرتے تھے: ریاض الصالحین سے طالب دین کی صحیح تربیت ہوتی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ریاض الصالحین ابتدائی عمر میں نہ صرف پڑھائی جائے بلکہ حفظ بھی کرائی جائے تاکہ ساری زندگی طلباء پر ریاض الصالحین کا اثر رہے،روحانی تربیت کے لیے یہ کتاب بہت ضروری ہے۔حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی حیات طیبہ اور ان کے تقوے کے بڑے مداح تھے کہ صرف ۴۵ سال کی عمر میں فوت ہونے والے امام نووی رحمہ اللہ نے بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور ساری عمر دمشق کے باغوں کا پھل نہیں کھایا کہ یہ زمینیں وقف تھیں جن پر حکومت نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ اصحابِ رسول کی عزت وتوقیر کے بڑے قائل تھے۔ اس سلسلے میں مولانا محمود احمد غضنفر رحمہ اللہ کی سیر وسوانح صحابہ کرام پر کے کام کو بہت سراہتے کہ مولانا نے جماعت اہل حدیث کے سر سے قرض اتار دیا ہے۔ اور حُبِ اہلِ بیتِ نبی ﷺ سے بھی بڑے سرشار تھے۔سبطین کریمین سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کو ایمان کی جان سمجھتے۔ واقعہ کربلا کے جھوٹے واقعات کی بجائے مظلومیت سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہم کے بیان کرنے کے قائل تھے کہ ظلم تو ہوا اُن کے ساتھ۔

ہر بات پر فوراً شرک وبدعت کے فتوے جڑنے سے بھی گریزاں رہے کہ اس کے لیے واضح اور غیر مبہم دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی باتیں ایمان کا حسن ضائع کردیتیں ہیں بلکہ ایمان ہی کو بے حال کردیتی ہیں بدعت میلاد پر راقم نے ایک کتاب لکھی تو انھوں نے اس کا نام تبدیل کرنے کا مشورہ دیا کہ جو نہیں مناتے ان کا دامن پہلے ہی بھرا ہوا ہے اور جو مناتے ہیں وہ اس نام کو سن کر کیوں پڑھنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ جمعیت اور مدارس کو اپنے علماء اور طلباء کی اخلاقی تربیت کے لیے نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ سپیشل کورس بھی

کروانے چاہیں تاکہ ان میں سے انتہاپسندی، جنگ وجدال، تعصب ناحق کا زہر دور کر کے وسیع القلب مبلغ بنایا جاسکے کیونکہ ؎

وہ فریب خوردہ شاہین جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کیا ہے راہ و رسم شہبازی

درویشانہ طرز زندگی:

مولانا مرحوم نے بڑی سادہ اور درویشانہ زندگی گزاری۔ دنیا کی زندگی کو بڑا عارضی اور آخروی زندگی کو دائمی سمجھ کر یہاں جیا کیے۔ دنیوی زندگی کا عارضی پن اور اخروی زندگی کی دائمی حیثیت ہمیشہ پیش نظر رہی۔ ہمیشہ آخرت کے لیے پا بہ رکاب رہے۔ سلف صالحین کے طرز زندگی کو پسند کرتے اور اسی کو اختیار کرتے۔ دین کی خدمت فی سبیل اللہ کرتے رہے اور اپنے گزران کے لیے معمولی کام کرتے۔ ۱۹۸۰ء میں ان کی طبیعت خراب ہوئی تو ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ شہر کی بجائے کسی دیہی علاقے میں شفٹ کر دیا جائے۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ کسی کے ہاں جانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہ ان کے مزاج ہی کے خلاف تھا۔ میں ان دنوں مہمونوالی ضلع شیخوپورہ میں بیٹھا مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کا منتظر تھا۔ ساتھ والے گاؤں کے لوگوں کو پتا چلا تو وہ اکٹھے ہو کر آئے کہ اپنے والد ہمیں دے دیں، ہم غریب لوگ کسی عالم دین کو افورڈ نہیں کر سکتے۔ ایک اور دوست نے مہمونوالی ہی کی دوسری مسجد کی، جو بہت بہتر تھی، پیشکش کی لیکن مولانا نے صاف انکار کر دیا کہ وہاں سنت رفع یدین ترک کرنا کسی صورت بھی انھیں گوارا نہیں ہے۔ اور پھر وہ دوسرے اہل حدیث گاؤں میں بہ خوشی شفٹ ہو گئے۔ حضرت حافظ عبداللہ شیخوپوری اور شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہما اللہ و دیگر علماء بڑا تعجب کرتے کہ حافظ عبدالاعلیٰ کے والد یہاں رہتے ہیں انھیں اس لیے بھی تعجب ہوتا کہ فیصل آباد میں ان کے اپنے ایک سے زیادہ مکانات ہیں۔ مولانا یہی جواب دیتے کہ لاعیش إلا عیش الاٰخرۃ اور زندگی کے بیس سال اسی گاؤں میں گزار دیے کہ یہ مسکین لوگ ہیں اور انھی کے ساتھ جینا مرنا ہے۔

اس گاؤں میں پہلے پہل بجلی تک کی سہولت موجود نہ تھی، راستہ کچا اور دشوار گزار۔ ہم اکثر کہتے کہ ہمیں پتا ہوتا کہ آپ نے یہاں ٹکی ہو جانا ہے تو ہم کبھی آپ کو اس گاؤں کا راستہ دکھانے کی غلطی نہ کرتے۔ ہمیں جانا پڑتا تو بڑی تکلیف محسوس ہوتی۔ گرمی اور مچھر کی وجہ سے راتوں کو نیند نہ آتی۔ مولانا کہتے: ایسی تکلیف دیکھ کر عبرت حاصل کیا کرو اور دعا کرو اللہ قبر کی سختی اور حشر کی گرمی سے محفوظ فرما دے:

﴿ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ [التوبۃ: ۸۱]

''کہہ دیجیے: جہنم کی آگ شدت میں سب سے بڑھ کر ہے۔''

یہ دنیوی تکلیفیں بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ سناتے کہ ربیع بن خثیم رحمہ اللہ کی ہمراہی میں دریائے فرات کے کنارے ایک تنور میں آگ بھڑکتی دیکھ کر حضرت نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا﴾ [الفرقان: ۱۲]

یہ سن کر ربیع بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لوگ انھیں چارپائی پر ڈال کر لائے۔ ہم ان کی اس طرح کی باتیں سن کر شکوہ کا دفتر کھولنے سے رکے رہتے۔ اور مزاحاً کہتے: جس نے قبر کی سختی اور میدان حشر کی گرمی سے بچنا ہو وہ اس گاؤں میں رات گزار لے۔

۱۹۹۱ء میں برطانیہ سے لاہور شفٹ ہوا تو والدین کو اس گاؤں سے نکالنے کا موقع ہاتھ آ ہی گیا۔ یہاں شمع کالونی مسجد اہل حدیث میں فی سبیل اللہ درس و خطبہ اور تدریس القرآن میں مصروف رہے۔ حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا محمد عطاء اللہ حنیف، خطیب ذیشان حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی، مولانا محمد حسین شیخوپوری، مولانا عبدالشکور شاہ صاحب اثری، مولانا محمد عبداللہ بورے والا، سلف صالحین کے زہد و تقویٰ کی نشانی حضرت حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی، مناظر اسلام مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا محمد رفیق خان پسروری، حضرت مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی، مولانا حضرت حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری، حافظ مشتاق احمد پرواز، حضرت مولانا محمد علی صمصام رحمہم اللہ اور مولانا نصر اللہ خان حافظ آبادی حفظہ اللہ (سابق خطیب منصور آباد) کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق رہا۔ اکثر بزرگوں کا ان کے ہاں آنا جانا بھی

تھا۔آپ نے انھی علمائے حق کا سا طرزِ زندگی اختیار کیا کہ یہی طرز زندگی پیارے آقا علیہ الصلاۃ والسلام کا تھا دعائے نبوی ((اللھم أحيني مسكينا وأمتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين)) اکثر زبان پر رہتی۔

مولانا عطاء اللہ بڑے خاموش طبع اور نام ونمود سے سخت پرہیز کرنے والے تھے۔ لاہور مرکزی جمعیت کے دفتر آتے مگر کبھی کسی سے متعارف نہ ہونے دیتے، حالانکہ میں ناظم دفتر تھا۔ لایعنی باتیں کیں، نہ سنیں بلکہ ساری زندگی بے تکلفی سے قہقہہ لگا کر نہیں ہنسے۔ کبھی سیاسی اور فضول گفتگو کی نہ ایسی محفلوں میں شریک ہوتے۔اس معاملے میں آپ ((من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه)) کی سچی تصویر تھے۔صفات اولیاء میں سے ((من سلم المسلمون من لسانه ويده)) پر پوری طرح عمل پیرا رہے۔ ان کی زبان یا ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی ۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ سنت کی اتباع کا جذبہ سلف صالحین کی طرز پر رکھتے تھے۔ان کے طرزِ حیات میں اتباعِ سنت کی پوری صورتگری موجود تھی۔خلافِ سنت کوئی حرکت برداشت نہ کرتے تھے۔ مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ نہایت خود دار اور متوکل انسان تھے،کبھی کسی کا احسان نہ اٹھایا۔نیشنل سلک ملز کے منیجر چوہدری گلزار ان کے کلاس فیلو تھے۔ جب انھیں فرصت ملتی وہ ان کے پاس آکر بیٹھ جاتے۔ باقی لوگ بہت تعجب کرتے کہ اتنی دوستی کے باوجود کبھی ان سے کام کا نہیں کہا جب کہ مولانا کی سفارش پر کئی لوگوں کو فاضل کام مل جاتا تھا۔حتی کہ انھوں نے اپنی اولاد سے بھی کوئی اپنے اخراجات کا مطالبہ تو کرنا کجا کبھی ان کی طرف سے بھیجی گئی تحفۃً چیز بھی قبول نہیں کی۔ ایک دفعہ راقم نے برطانیہ سے عمرہ کے لیے چیک بھیجا۔ انھوں نے بینک میں میرے ہی نام سے جمع کرادیا۔سعودی عرب سے کوئی تحفہ بھجوانے کا پوچھا تو فرمائش کی کہ ملک عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ کا مرتب کردہ مجموعہ وظائف "الورد المصفی" بھیج دینا اور بس۔مہونوالی کے مشمولہ گاؤں برسوں امامت کی،کبھی کسی سے معاوضہ نہیں مانگا اور نہ ہی مہونوالی کسی زمیندار کے گھر گئے کیونکہ سبھی جانتے تھے ان کے بیٹا بیرون ملک رہتا ہے۔مگر وہ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ اپنی ضرورت اپنے بچوں کے تعاون سے کبھی پوری نہیں کرتے۔ برکت پورہ، ڈی ٹائپ کالونی (فیصل آباد) میں جو اس زمانے میں، ۲۴ چک مشہور تھا، مسجد اہل حدیث کا سنگ بنیاد رکھا اور اس سے متصل ایک پلاٹ اپنے حج کے ارادے سے خریدا کیونکہ رہائش تو وہاں سے چھ سات میل منصور آباد ہی تھی لیکن خطبہ دینے برکت پورہ ہی آیا کرتے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں جب بیٹے نے حج کا سپانسر کیا تو یہ پلاٹ بیچ کر بیٹے کا "قرض" بھی اتار دیا۔برکت پورہ برسوں خطبہ جمعہ دیا۔ سات آٹھ میل کا سفر گرمی ہو یا سردی ہر حالت میں کرکے وہاں پہنچتے اور کسی سے پانی، شربت پلانے یا کھانا کھلانے کا بھی مطالبہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے پاس سے شکر گھول کر پی لیتے ۔

ساماں کی محبت میں مضمر ہے تن آسانی
مقصد ہے اگر منزل ، غارت گر ساماں ہو

انھوں نے ساری عمر کسی سے قرض نہیں لیا اور جنھیں دیا ان سے واپسی کا تقاضا نہیں کیا۔ بن مانگے ہی ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ ۱۹۸۵ء میں آپ نے اپنے خاندان کے ہمراہ فریضہ حج ادا کیا اور ۲۰۰۰ء میں عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔نمازوں کی سخت پابندی کرتے اور کرواتے، اولاد کی تربیت بھی اسی طرز پر کی۔گزراوقات کے لیے جاب یا معمولی سا کاروبار کرتے رہے اور دینی خدمات فی سبیل اللہ سرانجام دیں۔

حافظ اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کی خطابت کا رنگ:

مولانا عطاء اللہ کی خطابت پر حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کے خطابت کا رنگ پوری طرح غالب تھا۔ انھی کی طرح ترنم، سوز و گداز اور ادائیگی تھی۔ مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ صرف اسی کو خطیب مانتے تھے جو اپنی تقریر میں زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرے۔ آپ حضرت حافظ محمد اسماعیل روپڑی، حضرت مولانا محمد اسماعیل ذبیح،

حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری، حضرت حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری اور مولانا محمد عبداللہ ثانی رحمۃ اللہ علیہم جڑانوالہ کی کثرت تلاوتِ قرآن سے بڑے متأثر تھے اور کہا کرتے تھے کہ جس مقرر کی تقریر میں کثرت سے تلاوت قرآن نہیں اس کی تقریر میں کوئی برکت نہیں۔ یہی بات ہمارے استاد حضرت سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ ذرا جلالی انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ اس کی تقریر میں نحوست ہوتی ہے۔

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ خطبہ جمعہ میں سیاسی باتیں، تجویزیں، لطیفے، شعروشاعری، کافیوں اور دوہڑوں کی بجائے صرف قرآن و حدیث اور سلفی تفسیر بیان کرنے کے قائل تھے۔ عام زندگی میں بھی لطیفے اور جگت بازی سے مکمل پرہیز کیا اور خطبہ جمعہ تو تقوے اور تدین کا مظہر ہوتا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہ منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے، یہاں ان کے مشن کے خلاف کوئی بات یا کوئی طریقہ اختیار کرنا آقائے نامدار کے منبر کے ساتھ زیادتی ہے۔

آپ کو تلاوتِ قرآن کے ساتھ بہت پیار تھا، اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متبعین میں سے تھے۔ حوالے کے طور پر مشہور تابعی حضرت ابو العالیہ کے اس قول کو بہت محبوب جانتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی کامیاب حکمرانی میں سب سے زیادہ ہاتھ ان کی تلاوتِ قرآن سے محبت کا تھا حتی کہ بہ وقت شہادت بھی وہ تلاوتِ قرآن میں مشغول تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے گھر سے رات دن تلاوتِ قرآن کی آواز آتی رہتی تھی۔ قرآن کو دورانِ سفر جہاں بھی موقع ملتا بلند آواز سے پڑھنے کی کوشش کرتے کہ ہر انسان و جن اور حجر و شجر تلاوت کی گواہی دے گا۔ انھی گواہیوں کی بنا پر مغفرت ممکن ہوگی، ورنہ اعمال کی بنا پر مشکلات بہت زیادہ آنے کا امکان ہے۔

اتباعِ سنت کا والہانہ جذبہ:

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ سنت کی اتباع کا جذبہ سلف صالحین کی طرز پر رکھتے تھے۔ ان کے طرزِ حیات میں اتباعِ سنت کی پوری صورتگری موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اجتہادی صلاحیتیں بھی ودیعت کر رکھی تھیں۔ خلاف سنت کوئی حرکت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ تصویر کشی سے حتی الامکان پرہیز کرتے کیونکہ فوٹو کھنچوانا علمائے سلف صالحین کے نزدیک بھی سخت معیوب رہا۔ ہاتھ سے بنی یا کیمرے سے بنائی گئی تصویر میں فرق کو تکلفِ محض قرار دیتے۔ حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ سندھی رحمہ اللہ کا طرزِ عمل ان کے پیشِ نظر تھا، اس لیے انھوں نے بغیر فوٹو ہی کام کا شناخت نامہ بنوایا۔ ۱۹۷۴ء میں شناختی کارڈ بنا تو بغیر تصویر کے مگر جج کے لیے درخواست دی تو نیا شناختی کارڈ درکار تھا فوٹو والا، طوعاً و کرہاً تصویر بنوائی۔ کوشش کرتے کہ گھر میں کوئی تصویر موجود نہ ہو۔ گھر میں آنے والے اخبارات میں چونکہ تصاویر کی بھرمار ہوتی تھی، اس لیے ان کی موجودگی کو منحوس سمجھتے۔ مجھے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا کہ اگر انھیں اخبار نظر آگیا تو بُرا ہوگا، اس لیے اخبارات کو ان کی نظروں سے چھپا کر رکھا کرتا تھا۔ کوئی ایسی کتاب، ڈائجسٹ یا رسالہ بھی گھر میں لانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ مختار مسعود کی کتاب ''آواز دوست'' گھر لایا تو اس میں ﴿مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ﴾ والی آیت کو ہائی لائٹ کر کے دکھایا کہ اس میں قرآن کی آیات موجود ہیں۔ مختار مسعود کے اس جملے سے بڑے محظوظ ہوئے کہ صرف رزق ہی سے نہیں غیر ثقہ مواد پڑھنے سے بھی پرواز میں کوتاہی آجاتی ہے، صرف قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی کتب ہی سے نیکی راسخ ہوتی ہے۔

ہمارے گھر کا ماحول اس لحاظ سے بڑا کڑا تھا۔ ریڈیو، ٹیپ ریکارڈر، ٹیلی ویژن کا ہمارے گھر میں داخلے کا تصور بھی نہیں تھا۔ بہت کہا گیا کہ ٹی وی پر ہر روز تلاوت قرآن ہوتی ہے مگر وہ کہتے: ٹی۔وی تلاوت کے لیے کون خریدتا ہے! دور جدید میں اس قسم کے ماحول کو خشک اور بچوں کے ساتھ زیادتی قرار دیا جاتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ ان کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ دنیا بھر میں گھومنے پھرنے پر بھی صراط مستقیم اور طریقہ سلف صالحین سے انحراف نہیں ہوسکا کیونکہ وہ ''خشک ماحول'' خون میں رچ بس چکا تھا۔

تلاوتِ قرآن اور حفظِ احادیث کی اہمیت:

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ کو تلاوت قرآن کے ساتھ ساتھ حفظ

احادیث کا بڑا شوق تھا۔ تہجد کا معمول زندگی بھر رہا۔ ہم نے بڑی بڑی سورتیں مولانا سے راتوں کو سوتے وقت سن سن کر حفظ کر لی تھیں۔ پوری زندگی میں انھیں کبھی ساری رات غفلت کی نیند سوتے نہیں دیکھا کہ فجر کی نماز رہ گئی ہو۔ برکت پورہ جمعہ پڑھانے جاتے تو مجھے بھی کئی دفعہ ساتھ لے جاتے۔ راستے میں خطبے کی چیدہ چیدہ باتیں بتاتے، میں ان کے مطابق قرآنی آیات سنا دیتا۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ سات آٹھ سال کا بچہ قرآن کا اتنا ماہر کیسے ہوسکتا ہے لیکن فی الواقع ایسے ہی ہوا کیونکہ ہمارے گھر کا ماحول ہی ایسا تھا۔ طارق آباد (فیصل آباد) میں علاقے کے اس دور کے واحد ایم بی بی ایس ڈاکٹر انور لطیف نے ایک بار مولانا شبیر احمد عثمانی (مہتمم دارالعلوم، عبداللہ پور) سے پوچھا کہ قرآن میں کسی جگہ بیان ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب ایمان لے آئیں گے۔ مولانا عثمانی فاضل دیوبند تھے، انھوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ دس سالہ بچے نے جو علاج کے لیے ساتھ گیا تھا فوراً سورۃ النساء کی آیت پڑھ دی:

﴿وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ﴾

[النساء: ۱۵۹]

ڈاکٹر صاحب بڑے حیران ہوئے تو مولانا نے جواب دیا اس بچے (عبدالاعلیٰ) کا گھریلو ماحول ہی قرآنی انوار سے معمور ہے۔ قرآن کے تفسیری نکات ایسے بیان کرتے کہ ہم بعض دفعہ مدینہ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے بھی ان کی اجتہادی بصیرت پر حیران رہ جاتے۔ بچپن میں ہم نے ان سے یہ نکتہ محفوظ رکھا کہ قرآن میں تحویل قبلہ سے پہلے کی نمازوں بارے آیا ہے:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]

یہ نہیں کہا: ”ماکان الله لیضیع صلاتکم“ یعنی نماز ہی ایمان ہے۔ قرآن کریم سے اس طرح کے استدلال اور اس کے انطباق کی قوت قرآن میں ہمیشہ غوطہ زن رہنے والوں کو ہی عطا ہوتی ہے، ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

تربیتِ اولاد کا انوکھا طریقہ:

اولاد کی تربیت کا انداز ایسا تھا کہ لامحالہ سیدھا رہنا پڑتا تھا۔ ہمارے بچپن میں camy گھڑی بڑی مشہور ہوئی تھی۔ اس کی قیمت اس دور میں اسی نوے روپے ہوا کرتی تھی۔ میں نے اصرار کیا تو اس بات پر اتفاق ہوا کہ چھٹا پارہ ایک ماہ میں مکمل حفظ ہوجائے گا تو گھڑی مل جائے گی۔ سہراب سائیکل مانگا تو شرط عائد ہوگئی کہ چالیس دن کوئی نماز بغیر جماعت ادا نہ ہو تو خرید دی جائے گی۔ سردیوں کے دن تھے۔ میں نے دل میں عہد کرلیا کہ ایک نماز بھی جماعت کے بغیر نہیں پڑھوں گا۔ پورا ماہ اسی اہتمام میں گزر گیا کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ میں ان دنوں مانانوالہ (ضلع شیخوپورہ) پڑھتا تھا۔ یہ چالیس میل کا سفر کئی گھنٹے کا تھا۔ جب بھی اور جہاں کہیں بھی جانا ہوتا میں صبح سویرے نکل جاتا تاکہ ظہر کے وقت کسی مسجد کے پاس پہنچ جاؤں۔ سردیوں میں ظہر بارہ بجے ہوتی تھی، یعنی وقت بہت تنگ۔ ایک دن میں مانانوالہ اڈے پر تو صبح صبح آ گیا لیکن دوپہر تک کوئی بس نہ ملی۔ جب میں فیصل آباد اڈے پر اترا تو سورج غروب ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ مجھے دل کے ساتھ اڈے والی مسجد کی طرف چل پڑا کہ نماز تو پڑھنی ہی ہے۔ مسجد جا کر دیکھا تو جماعت کھڑی نظر آئی۔ بھاگم بھاگ جماعت کے ساتھ شامل ہوگیا پوچھنے پر پتا چلا کہ تبلیغی جماعت ابھی پہنچی تھی اور اس نے عصر پڑھنی تھی اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس جدوجہد اور خوف کا ذکر کیا تو باقی کوٹہ معاف اور سہراب سائیکل مل گئی۔ اسی طرح باٹا شوز کی نہایت خوبصورت پروڈکٹ کے لیے ریاض الصالحین کی بیس احادیث حفظ کرنا پڑیں۔ باٹا شوز تو جلد چوری ہوگئے مگر احادیث کا حفظ آج تک کام آ رہا ہے۔

والدہ محترمہ تو سیدھے طریقے سے حکم دیتیں کیونکہ وہ ایک نمبردار گھرانے سے تھیں مگر اباجی کا اپنا ہی ایک انداز تھا۔ اس طریقے سے انھوں نے ہمیں دین پر عمل پیرا ہونے پر پختہ کیا۔ والدین کی تربیت کا اثر اولاد پر اسی طرح مؤثر ہوتا ہے۔

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تُو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

تہجد کی ادائیگی علماء کے لیے بہ منزلہ فرض:

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ارشاد نبوی ((أوتروا يا أهل القرآن!)) کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے تہجد سنت سہی لیکن علماء وطلبائے دین پر تہجد کی ادائیگی فرض کی طرح ہے۔ حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کے مدرسے کے طلباء کا تذکرہ ہمیشہ کرتے کہ ان کی کثرت تلاوت وتہجد کی وجہ سے اہل محلّہ سمجھتے کہ طلباء نے چوری چھپے کبوتر پال رکھے ہیں جو راتوں کو غٹرغوں کرتے ہیں۔ حضرت حافظ محدث گوندلوی رحمہ اللہ کے ذکر اور معمول تہجد کا بھی اکثر ذکر کرتے۔ حضرت میاں غلام رسول قلعہ والے رحمہ اللہ کا واقعہ بھی اکثر دہراتے کہ آپ وضو کرتے جاتے اور روتے جاتے اور یہ شعر پڑھتے ؎

پانی بھرن سہیلیاں رنگا رنگ گھڑے
بھریا اوہو جانیے جیدا توڑ چڑھے

سلف صالحین کی متابعت میں انھوں نے ساری زندگی کسی حالت میں بھی تہجد نہیں چھوڑی اور نہ ہمیں غفلت کرنے دی۔ مئی کی ایک گرم رات حضرت حافظ محمد یحیی عزیز میر محمدی نور الله مرقده وأدخله الله الجنة ان کے ہاں مہمان تھے۔ چھت پر سوئے، گرمی نے بڑا تنگ کیا۔ جب آپ نیچے اترے تو مولانا عطاء اللہ تہجد میں مشغول تھے۔ حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ نے گرمی کا بڑا اچھا حل نکالا ہے۔ کہا کرتے تھے:

﴿إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا﴾

[المزمل: ٦]

اس میں خوش خبری ہے کہ تہجد سے طاقت اور صحت ملتی ہے ؎

رات کے پچھلے پہروں میں
اک دولت بٹتی ہووت ہے
جو جاگت ہے ، وہ پاوت ہے
جو سوت ہے وہ کھووت ہے

الحمدللہ، انھیں ساری زندگی کوئی موذی مرض لاحق نہیں ہوا۔ دوا دارو سے مکمل پرہیز کرتے۔ کبھی انجیکشن یا ایلو پیتھک دوائی نہیں لی۔ اگر کھانسی نزلہ زکام ہو جاتا تو گرمی ہو یا سردی روزے رکھنے شروع کر دیتے۔ جب تک مرض رہتا روزے جاری رکھتے۔ پوری زندگی ایک دن بھی ہسپتال میں نہیں گزارا حتی کہ روز وفات بھی ہسپتال جانے سے انکار کر دیا۔

کم کھانا صحت ، کم سونا عبادت اور کم بولنا عبادت۔ انھی تینوں خوبیوں کو ساری زندگی اپنایا۔ خوراک اتنی قلیل تھی کہ ہمیں ساری عمر کمزوری کا فکر لاحق رہا۔ کم سونا ایسے کہ پتا ہی نہیں ہوتا تھا کب سوئے اور کب جاگے۔ رات دس بجے ڈیوٹی ختم کر کے گھر آتے۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتے مگر جب بھی ہماری آنکھ کھلتی ان کی قراءت کی آواز گونج رہی ہوتی تھی۔ اور کم بولنے پر ایسے عمل کیا کہ ساری زندگی انھوں نے کوئی ایسا بے تکلف دوست نہیں بنایا جس کے ساتھ گپ شپ ہو یا لطیفے بازی اور جگت بازی کی ہو۔ اونچا ہنستے اور قہقہے لگاتے نہ کبھی سنا نہ دیکھا۔ اسی وجہ سے ان کا رعب و دبدبہ اتنا تھا کہ ہم نے کبھی بے تکلفی سے ان سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی۔

اولاد کو ابراہیمی وصیت کی تلقین:

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ ہمیشہ سنت ابراہیمی کی متابعت کرتے ہوئے اپنی اولاد کو دین سے وابستہ رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہوا:

﴿وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾

[البقرة: ١٣٢]

”اور اسی (اسلام) کی وصیت کی تھی ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے اس دین اسلام کو پسند فرمایا ہے، (خبردار!) مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس واقعے کو بہت سنایا کرتے تھے کہ مصر سے واپسی پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شان و شوکت اور شاہانہ جلال کی کہانیاں سنائیں لیکن حضرت

یعقوب علیہ السلام نے پوچھا: ’’علی أي دین ترکته؟‘‘ ’’کیا تم نے اسے دین پر قائم پایا ہے؟‘‘ انھوں نے بتایا کہ ہاں تو سیدنا یعقوب علیہ السلام نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جانا کہ منزل مراد مل گئی ہے۔ یہاں آپ مولانا عبدالستار رحمہ اللہ صاحب ’’قصص المحسنین‘‘ کے ان اشعار کو حضرت حافظ اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ کے لہجے میں اتنے پرسوز طریقے سے پڑھتے کہ سامعین پر رقت طاری ہوجاتی ۔

کہیا یعقوبؑ سناؤ سانوں ہور نہ حاجت کوئی
دین برابر رکھیا یوسفؑ یا کجھ غلطی ہوئی
کہیا بشیر طریقہ اسدا دین اسلام صفائی
شکر کیتا یعقوبؑ پیغمبر ساری دولت پائی

حق تعالیٰ نے ان کی خواہش پوری کی اور ان کی اولاد میں حافظ قرآن، فاضل مدینہ یونیورسٹی اور مفسر قرآن شامل فرمادیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حافظ عبدالاعلیٰ کو دین کی دعوت عام کرنے کے لیے منتخب فرما لیا۔ جامعہ تقویۃ الاسلام (شیش محل روڈ، لاہور) اور جامعہ سلفیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کو مدینہ یونیورسٹی کا متعلّم بھی بنایا۔ مدینہ سے فراغت کے بعد آپ کو رمضان میں قرآن سنانے کے لیے عموماً بیرونی ممالک لندن، فرانس، امریکا یا سعودی عرب جانا پڑتا۔ ان کی والدہ جب بھی اظہار حسرت کرتیں کہ وہ دن کب آئے گا جب ہم سب مل کر عید منائیں گے تو آپ کے والد رحمہ اللہ یہی کہتے کہ وہ دنیا کمانے نہیں قرآن سنانے ہی جاتا ہے۔ اور سورۂ طور کی یہ آیت پڑھ کر تسلی دیتے کہ ان شاء اللہ یہ خواہش حق تعالیٰ جنت میں ضرور پوری فرمائے گا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾

[الطور: ۲۱]

’’جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو بھی جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے کسب کے بدلے رہن میں ہے۔‘‘

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ نے ساری زندگی اولاد سے کوئی دنیوی کام نہیں لیا اور نہ ہی کوئی دنیوی مفاد اٹھایا۔ نہ ہی کبھی انھوں نے مطالبہ کیا کہ بہ حیثیت والدین اولاد پر کچھ فرائض ہیں۔ ہم باپ بیٹا کی برسوں بعد ملاقات ہوتی تو دینی سرگرمیوں پر ہی پر تبادلہ خیال ہوتا۔ دنیوی لین دین کبھی زیرِ بحث نہیں آپایا۔ انھیں کبھی اس بات سے غرض نہیں رہی کہ ہم کیا کماتے ہیں، الٹا کہتے کہ روپے پیسے کی ضرورت پڑے تو بتانا کہ کس ذریعے سے تم تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ کبھی نہیں کہا کہ ہمارا بھی خیال رکھنا کیونکہ انھوں نے اپنے رب سے یہی وعدہ کیا تھا:

﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ [آلِ عمران: ۳۵]

جسے آخر وقت تک نبھائے رکھا۔

ذکرِ الٰہی سے محبت:

مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ اپنی زبان کو ہمہ وقت تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے تر رکھتے۔ سیاسی اور فضول گفتگو سے بچائے رکھتے۔ جدل و مناقشے کے قائل ہی نہ تھے۔ جماعتی جھگڑوں اور اختلافات سے بہت الرجک تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح کے جھگڑے علمائے اہل حدیث کی شایانِ شان قطعاً نہیں ہیں۔ ان کی بجائے ذکر الٰہی سے ناطہ بہت ضروری اور مفید ہے، اسی لیے انھوں نے کبھی تنظیمی اجتماعات میں شرکت نہیں کی۔ ان میں جس طرح روپڑیوں کی خطابت کی جھلک پائی جاتی تھی اسی طرح غزنویوں کی عادتِ ذکر بھی بہت راسخ تھی، اسی وجہ سے انھیں سید ابوبکر غزنوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبداللہ جھال خانوآنہ والے، حضرت حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی، حضرت مولانا محمد یحییٰ شرقپوری، حضرت مولانا سیّد عبدالشکور اثری رحمہم اللہ سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ جب میں مدینہ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا، میں نے ابا جی سے پوچھا: کیا تحفہ لاؤں؟ انھوں نے کہا: ملک عبدالعزیز کا مرتب کردہ مجموعۂ ذکر ’’الورد المصفّٰی‘‘ بھجوا دینا کیونکہ اس میں اذکارِ مسنونہ اور سلف صالحین کی دعائیں احسن انداز سے مرتب کی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے اس مجموعہ ذکر کو گزشتہ تیس سال سے حرز جان

بنائے رکھا اور اس کی روایات کی تحقیق وتخریج بھی کی۔

تلاوتِ قرآن سے غایت درجہ محبت رہی۔ چلتے پھرتے تلاوت وذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے کیونکہ یہی اللہ والوں کا طریق کار ہے۔ ذکر الٰہی کی طاقت اور توفیق ایزدی سے آپ نے پوری زندگی صبر واستقلال سے گزاری۔ پانچ بچے اوائل عمری ہی میں فوت ہوگئے۔ اس طرح کے صدمات کو انھوں نے وعدہ الٰہی کی امید پر برداشت کیا۔ حضرت ابوحسان رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے دو بچے فوت ہوگئے ہیں، کوئی ایسی حدیث سنائیں جس سے دل کو تسلی ہوجائے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی:

((ما من مسلم يموت له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث إلا تلقوه من أبواب الجنة الثمانية ، من أيها شاء دخل .)) (ابن ماجه)

''جس عبد مسلم کے تین بچے صغرسنی میں فوت ہوگئے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے، جہاں سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔''

دوسری حدیث میں کمسن بچوں کو جنت کی چڑیاں قرار دیا گیا ہے جو اپنے والدین کے پلو پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے:

((صغارهم دعاميص الجنة يتلقى أحدهم أباه -أو قال: أبويه- فيأخذ بثوبه فلايتناهى .))

(صحيح مسلم)

اسی طرح آپ نے حضرت لقمان علیہ السلام کی عادات وخصائل کو اپنائے رکھا جو نہایت خوش خلق، خاموش طبع، دن کو نہ سوتے، لوگوں کے سامنے نہ تھوکتے، نہ پاخانہ پیشاب کرتے، اولاد فوت ہوئی تو صبر کیا کہ ع یہی ازل سے رہا ہے قلندروں کا طریق۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

[آل عمران : ۱۹۱]

''(عقل مند لوگ وہ ہیں) جو اللہ کا ذکر کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے بھی کرتے رہتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غوروفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تُو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا، تُو پاک ہے، پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔''

وفات حسرت آیات:

پچھلے سال رمضان المبارک میں ان کے سب سے چھوٹے بیٹے قاری خلیل الرحمٰن صاحب کا نوجوانی میں انتقال ہوگیا۔ ان کی اچانک وفات نے طبیعت پر گہرا اثر ڈالا۔ دو ماہ بعد ان پر فالج کا ہلکا سا حملہ ہوا۔ زندگی بھر علاج معالجے میں بھی آپ روحانی پہلو کو ترجیح دیتے تھے۔ اگر بیمار ہوتے تو روزے رکھنا شروع کردیتے، جب تک تکلیف ختم نہ ہوجاتی اس وقت تک روزہ رکھے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہرقسم کے موذی امراض سے محفوظ رکھا۔ ان کی مرغوب ترین دعاؤں میں ''ارذل عمر'' سے بچنے کی دعا بھی شامل تھی:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمرِ ."

اور " اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَ تَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَأَةِ نِقْمَتِكَ وَ جَمِيْعِ سَخَطِك . اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَالتَّرَدِّي وَمِنَ الْغَرَقِ وَ الْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَنْ أَمُوْتَ لَدِيْغًا وَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ إِلٰى طَبَعٍ ."

انھی دعاؤں کی برکت سے آپ سات آٹھ ماہ بسترِ علالت پر رہنے کے باوجود شدت کی بیماریوں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بچے رہے۔ پوری زندگی میں الحمدللہ ایک رات بھی آپ کو ہسپتال نہیں گزارنی پڑی بلکہ زندگی کے آخری دن بھی وہ ہسپتال جانے پر آمادہ

نہیں ہوئے۔ دورانِ علالت طہارت وصفائی اور نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے رہے۔ ان کی زبان ہمیشہ ذکرِ الٰہی سے تر رہی۔ اور ۲۴ر جون کی صبح آٹھ بجے جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

پسماندگان میں تین بیٹے: راقم (حافظ عبدالاعلیٰ)، قاری عبدالرحمٰن، قاری حبیب الرحمٰن اور ایک بیٹی اور سینکڑوں شاگرد اور عقیدت مند چھوڑے ہیں جو ان کے لیے صدقہ جاریہ رہیں گے۔ إن شاء اللہ

وصیت کے مطابق ان کی نمازِ جنازہ اسی شام کوادا کی گئی اور منصور آباد (فیصل آباد) میں تدفین ہوئی۔ میں اس موقع پر دیارِ غیر میں اپنی محرومی کے احساس میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور سوچ رہا تھا چھ سال پہلے والدہ کی دعاؤں سے محرومی ہوگئی تھی۔ اب کائنات کی سب سے مخلص دعا گو ہستی بھی داغِ مفارقت دے گئی۔ والدہ کی وفات سے محسوس ہوا تھا کہ پیروں سے زمین کھینچ لی گئی اور اب جیسے سر سے سائبان ٹوٹ گیا ہو ؎

کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بے قرار
خاکِ مرقد پہ تیری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شبی میں کس کو یاد آؤں گا

اچانک ایک سکینت کی لہر آئی اور میرے دل میں داخل ہوگئی کہ مولانا عطاء اللہ وہاں پہنچ گئے ہیں جہاں ساری زندگی جانے کی تیاری کرتے رہے۔ اور جہاں پہنچ گئے ہیں وہاں خوش ہیں کیونکہ وہ مقام بہرحال دنیا کی تنگیوں اور تکلیفوں سے بہتر اور آرام دہ ہے۔ ان کا شمار ان شاء اللہ یقیناً ان لوگوں میں ہوگا جن کا تذکرہ سورہ حم السجدہ میں ان لفظوں سے کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ٥ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ٥ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ٥﴾ [حم السجدة: ۳۰-۳۲]

''بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اسی پر وہ جم گئے، یقیناً ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو، اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا۔ تمھاری دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمھارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی، جہاں جس چیز کو تمھارا جی چاہے گا اور جو کچھ تم مانگو گے سب ملے گا جس کی تم تمنا کرو گے۔ یہ ہے سامان ضیافت اس ذات کی طرف سے جو غفور رحیم ہے۔''

دعا ہے کہ حق تعالیٰ مولانا مرحوم کی بشری کوتاہیوں، خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے انھیں جنت الفردوس میں ان سب لوگوں کی رفاقت عطا فرمائے جن سے وہ ساری زندگی محبت کرتے رہے۔ جن کا ساتھ مانگتے رہے اور جن کے راستے پر وہ چلتے رہنے کی کوشش کرتے رہے:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ٥﴾ [الفاتحة: ۶،۷]

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اعتذار

شمارہ: ۴۰، صفحہ: ۳۳ پر شورش کاشمیری کی نظم کے آخری شعر میں بازوئے حیدر کی قسم کھانے کا ذکر ہے جس کو شعری استعارہ بھی کہا جاسکتا ہے لیکن چونکہ یہ مسئلہ عقیدے کا ہے اس لیے اس شعر کی اشاعت پر ادارہ ''الاعتصام'' اللہ تعالیٰ کے حضور بھی معافی کا طلب گار ہے اور اس سہو پر قارئین سے بھی معذرت خواہ ہے۔

(ادارہ الاعتصام)

مغربی جادو کے ڈورے

جدید وضع کے سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں ہمارے طور طریقے بدلتے جاتے ہیں
دکھائی ہے ہمیں تہذیبِ مغربی نے جو راہ ہم آنکھ بند کیے اس پہ چلتے جاتے ہیں
بھڑک رہا ہے کچھ اس جوش سے تنورِ فرنگ کہ دیں کی برف کے تودے پگھلتے جاتے ہیں
دیارِ غرب کی مٹی کچھ ایسی چکنی ہے بڑے بڑوں کے قدم بھی پھسلتے جاتے ہیں
اُگل رہے ہیں جنھیں ریزہ چینِ خوانِ مسیح مزے سے ہم وہی لقمے نگلتے جاتے ہیں
حرم کے رستے سے کاٹی ہے شیخ نے کنّی تو بت کدے سے برہمن نکلتے جاتے ہیں
جب اپنے عہد پہ قائم نہ رہ سکے بندے خدائے پاک کے وعدے بھی ٹلتے جاتے ہیں

محمدؐ عربی کا یہ معجزہ سمجھو
اگر عرب کے مسلماں سنبھلتے جاتے ہیں

(مولانا ظفر علی خان)